معاشرتی علوم کراچی
تیسری جماعت کے لیے
سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو

معاشرتی علوم

کراچی
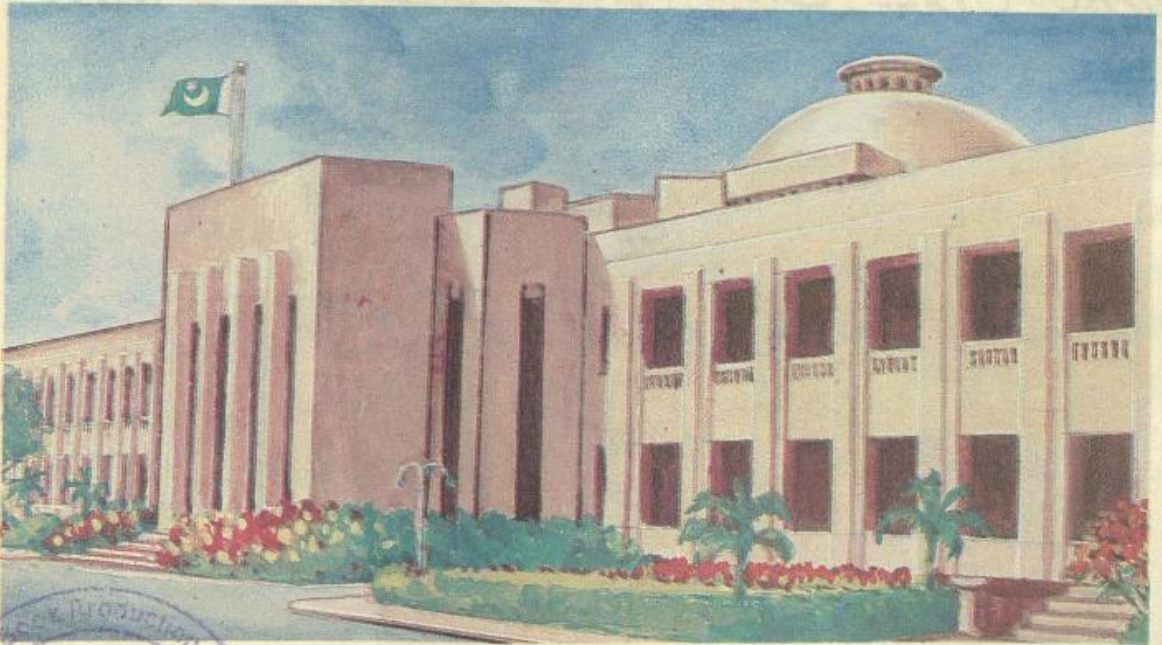
تیسری جماعت کے لیے

سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو

ناشر

اردو اکیڈمی سندھ، کراچی

تیار کردہ : سندھ ٹیکسٹ بُک بورڈ، جام شورو سندھ

منظور کردہ : محکمۂ تعلیم، حکومتِ سندھ بطور واحد درسی کتاب برائے مدارس کراچی ڈویژن

مصنّفین

فدا حسین کھوکھر ❁ ایم - ایف - حامد

مشیر

عبد المجید عبّاسی

نظر ثانی و اضافہ

علاء الدین خالد

نگران : قائم الدین بلال

طابع : عزیز خالد

مطبوعہ : اکیڈیمک آفسٹ پریس، آرام باغ روڈ، کراچی

فہرست مضامین

نقشۂ پاکستان
انتظامی
صوبائی حدود
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
چین
افغانستان
ایران
بھارت
بحیرۂ عرب
صوبہ سرحد
پشاور
اسلام آباد
صوبہ پنجاب
لاہور
دریائے جہلم
دریائے چناب
دریائے راوی
دریائے ستلج
دریائے سندھ
صوبہ بلوچستان
کوئٹہ
صوبہ سندھ
کراچی
علامات
دریا
ملکی حدود
دارالحکومت
صوبہ کا صدر مقام
صوبہ سندھ
صوبہ پنجاب
صوبہ سرحد
صوبہ بلوچستان
کشمیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پہلا باب

ہمارا وطن

ہمارا پیارا وطن پاکستان 14 اگست 1947ء کو قائم ہوا۔ ہمارے وطن کے بانی قائداعظم محمدؐ علی جناحؒ تھے۔
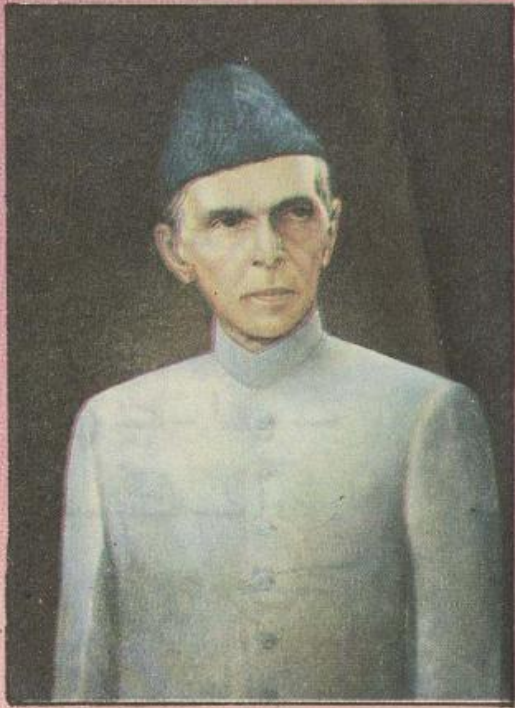
ہمارا وطن سرسبزو شاداب ہے۔ اس کے دریا اور وادیاں خوب صورت اور دلکش ہیں۔ ہمارے وطن کے لوگ محنتی اور جفاکش ہیں۔ غلہ اگانا، کارخانوں میں کام کرنا اور علم حاصل کرنا ہمارے مشاغل ہیں۔

ہمارے پیارے وطن پاکستان کے چار صوبے ہیں :

1- سندھ 2- پنجاب 3- سرحد اور 4- بلوچستان -

ہر صوبہ انتظامی لحاظ سے ڈویژنوں، ضلعوں، سب ڈویژنوں اور تحصیلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہمارا کراچی ڈویژن صوبہ سندھ میں ہے۔

ہمارے پیارے وطن پاکستان کے بیچ سے دریائے سندھ بہتا ہے۔ اس دریا کے پانی سے ہمارا پورا ملک سرسبزو شاداب ہے۔

ہم سب کا فرض ہے کہ علم حاصل کریں، محنت کر کے اپنے پیارے وطن کو مزید ترقی دیں، اس کو خوش حال بنائیں اور اس کی حفاظت کے لیے دن رات کوشش کریں۔

دوسرا باب

ہمارا ڈویژن

ماسٹر صاحب جماعت میں داخل ہوئے، انھوں نے ایک نقشہ کھولا اور اسے دیوار پر لٹکایا۔ بچے نقشے کی طرف دیکھنے لگے۔

ماسٹر صاحب : "بچو! یہ صوبہ سندھ کا نقشہ ہے۔ اس میں سندھ کے تمام ڈویژن دکھائے گئے ہیں۔ جس حصے میں گلابی رنگ ہے وہ ہمارا ڈویژن کراچی ہے۔ کراچی صوبۂ سندھ کا صدر مقام ہے۔ یہ پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہ سمندر کے کنارے واقع ہے۔ اس کے چاروں طرف گہری سیاہ لکیر ہمارے ڈویژن کی حدّوں کو ظاہر کرتی ہے۔ نقشے کے اوپر دائیں کونے میں بنا ہوا تیر کا نشان سمتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ دیکھو! تیر کے اوپر کی طرف شمال اور نیچے جنوب لکھا ہوا ہے۔ سیدھے ہاتھ پر مشرق اور الٹے ہاتھ پر مغرب لکھا ہوا ہے۔ نقشے میں ہمارا ڈویژن نیچے کی طرف ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارا ڈویژن صوبۂ سندھ کے جنوبی حصے میں ہے۔"

سلمان : جناب! سمندر ہمارے ضلعے کے کس طرف ہے؟

ماسٹر صاحب : کراچی کے ساحل کے ساتھ جو سمندر لگتا ہے اس کا نام بحیرۂ عرب ہے۔ یہ کراچی کے جنوب اور مغرب میں واقع ہے۔ مغرب میں حب ندی بھی ہے جو کراچی کو لسبیلہ (بلوچستان) سے جُدا کرتی ہے۔

احمد : جناب! آپ نے یہ تو نہیں بتایا کہ ہمارے ڈویژن کے شمال اور مشرق میں کون کون سے ضلعے ہیں؟

صوبہ سندھ
20 0 20 40 60 80
صوبہ پنجاب
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
جیکب آباد
لاڑکانہ ڈویژن
شکارپور
لاڑکانہ
دریائے سندھ
گھوٹکی
سکھر ڈویژن
سکھر
نوشہرو فیروز
خیرپور
نواب شاہ
دادو
صوبہ بلوچستان
حیدرآباد ڈویژن
سانگھڑ
میرپورخاص ڈویژن
عمرکوٹ
میرپورخاص
تھر
حیدرآباد
کراچی ڈویژن
کراچی
دریائے سندھ
ٹھٹھہ
بدین
رن کچھ کا علاقہ
بحیرۂ عرب
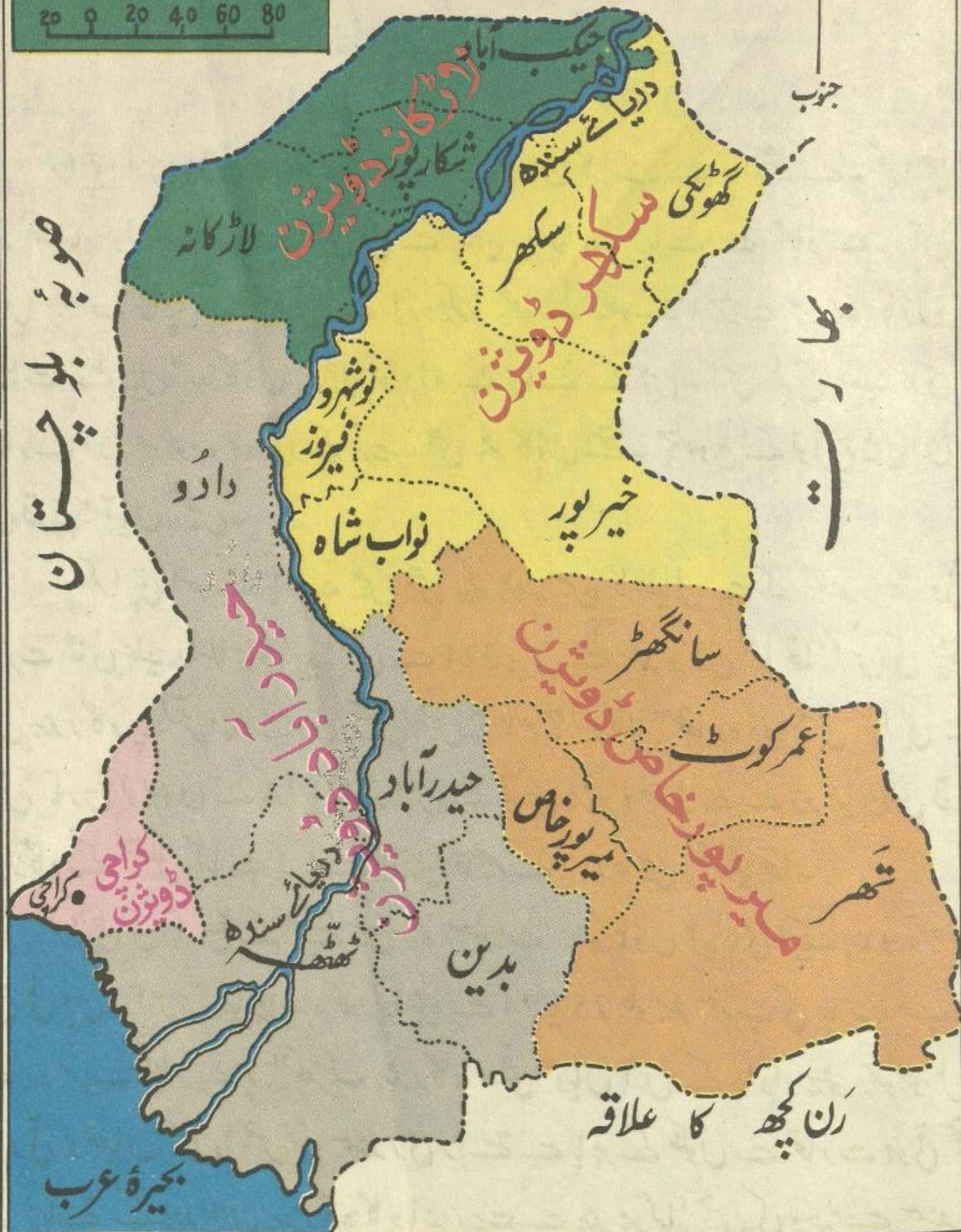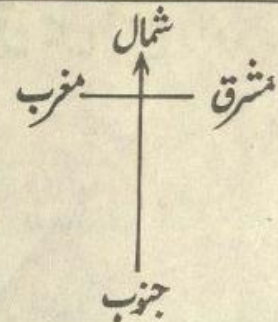
ہمارے ڈویژن کے شمال میں لسبیلہ ہے، مشرق میں ضلع دادو ہے اور جنوب مشرق میں ضلع ٹھٹھ ہے۔

کراچی کی تاریخ

کراچی اس وقت نہ صرف سندھ بلکہ پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ کراچی شہر نے تقریباً سوا سو سال سے ترقی کی ہے لیکن یہ پرانے زمانے سے آباد ہے۔ آج کل جہاں جامعہ کراچی ہے، اس کے اِرد گِرد چھوٹے چھوٹے اُجڑے ہوئے گاؤں کے نشانات ملے ہیں، یہ گاؤں موئن جو دڑو کے زمانے کے ہیں۔ اسی طرح حب ندی کے کنارے اور موجودہ کورنگی کے قریب بھی کچھ گاؤں تھے۔ منگھوپیر کے نواح میں ان سے بھی قدیم بستیاں تھیں۔

کراچی شہر کے بارے میں بھی کچھ مورخین کا خیال ہے کہ سکندر مقدونی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے 324 برس پہلے سندھ میں آیا تھا، اس کی کشتیاں جس بندرگاہ پر لنگر انداز ہوئی تھیں جس کا نام "کروکالا" تھا وہ دراصل کراچی ہے۔ بعض تاریخ نویسوں نے کراچی اور اس کے قریبی جزیرہ منوڑے کے درمیان کی قدرتی بندرگاہ کے متعلق کہا ہے کہ اسے محمد بن قاسم نے 712ء میں فتح کیا تھا۔

کراچی کی تاریخ کے سلسلے میں کچھ معلومات سیٹھ ناؤں مل نامی ایک ہندو تاجر سے بھی ملی ہیں۔ اس کا بیان ہے کہ کراچی سے 24 یا 25 کلومیٹر مغرب کی جانب حب ندی کے دوسرے کنارے پر "کھڑک بندرگاہ" تھی، وہاں اس کے دادا سیٹھ بھوجو مل کی تجارتی کوٹھیاں تھیں، جس کی سمندری راستے سے باہر کے ملکوں سے تجارت ہوتی تھی۔ کچھ زمانے کے بعد اس بندرگاہ کا دہانہ ریت سے بند ہوگیا، جس کی وجہ سے سمندری

کشتیوں کا آنا جانا بندرگاہ تک مشکل ہوگیا۔ پھر سیٹھ بھوجومل نے ایسی جگہ کی تلاش شروع کی جہاں دوسری بندرگاہ بنائی جاسکے۔ آخر انھوں نے کراچی کے شہر یا کلاچی کے کنڈ کو بندرگاہ کے لیے پسند کیا۔ اس زمانے میں کلاچی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، جہاں مچھیروں اور ملاحوں کی جھونپڑیاں تھیں۔ سیٹھ بھوجومل نے اسی جگہ کو پسند کرکے وہیں رہنا سہنا اختیار کیا، پھر آہستہ آہستہ دوسرے تاجر بھی وہاں آباد ہوگئے۔

1782ء میں جب بھوجومل مرا۔ اس وقت کلاچی چھوٹے گاؤں سے بڑھ کر ایک چھوٹے شہر میں تبدیل ہوچکا تھا۔ پھر سندھ کے کلہوڑہ بادشاہ کی نظر اس شہر پر پڑی اور انھوں نے اس شہر کی نگرانی کے لیے اپنا عملہ مقرر کیا۔ کلہوڑہ بادشاہوں نے اپنے زمانے میں اس شہر کو ترقی دی اور اس طرح کراچی کی رونق میں اضافہ شروع ہوا۔

جب کلہوڑوں کے بعد سندھ کی حکومت تالپوروں کے ہاتھ آئی تو انھوں نے سمندری حملوں سے بچاؤ کے لیے منوڑے میں ایک قلعہ تعمیر کرایا اور اسے اپنی چھاؤنی بنایا۔ اسی زمانے میں اس شہر کا نام کلاچی کے بجائے کراچی مشہور ہوا۔ اس نام کو اس قدر شہرت حاصل ہوئی کہ لوگ اس کے اصل نام کلاچی کو بھول گئے۔

1843ء میں سندھ پر انگریزوں نے قبضہ کیا۔ انگریزوں کے سپہ سالار چارلس نیپئر نے اس بات کا اندازہ لگالیا تھا کہ اس علاقے میں کراچی ایک ایسا شہر ہے جس میں ترقی کی گنجائش ہے۔ چناں چہ اس نے کراچی کو ترقی دینا شروع کی۔ سب سے پہلے صوبے کے دارالحکومت کو حیدرآباد سے کراچی منتقل کیا اور انگریزی فوج کا ایک اہم مرکز بنایا۔ نیپئر بیرکس کی عمارات اسی دور کی نشانیاں ہیں۔ ان میں انگریزی فوج رہا کرتی تھی۔ کلفٹن اور گزری پر ہوا بندر بنوایا، اسی طرح جزیرہ منوڑا کی پہاڑی پر سمندری جہازوں کو راستہ دکھانے کے لیے سوا سو فٹ اُونچا "لائٹ ہاؤس" بنوایا۔

نیپئر نے کراچی کے انتظام کے لیے پولیس مقرر کی۔ عوام کی تفریح کے لیے ایک چڑیا گھر بنوایا جو نشتر روڈ پر پاکستان کوارٹرز کے قریب واقع ہے۔

نیپئر کے جانے کے ٹھیک ایک سو سال بعد 14 اگست 1947ء کو پاکستان بنا اور کراچی پورے پاکستان کا دارالحکومت بنا۔

انگریزوں کے زمانے ہی میں سمندری بندرگاہ اور ہوائی اڈے کی بدولت کراچی شہر کی اہمیت تھی لیکن پاکستان کا دارالحکومت بننے کے بعد تو اس شہر نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی۔ لاکھوں مسلمان 1947ء کے بعد بھارت سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہو گئے ہیں۔ اب یہاں صاف ستھری چوڑی سڑکیں ہیں۔ اسے روشنیوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے۔ ہر طرف اونچی اونچی خوب صورت عمارتیں بن گئی ہیں۔

کراچی کی زمین

جماعت میں آج کراچی ڈویژن کا بڑا رنگین نقشہ لٹکا ہوا تھا۔ امین نے نقشہ دیکھ کر ماسٹر صاحب سے پوچھا :

"جناب اس نقشے میں بہت سے رنگ کیوں دیے گئے ہیں؟"

ماسٹر صاحب : بچو! یہ ہمارے کراچی ڈویژن کا نقشہ ہے۔ نیلے رنگ کی چھوٹی بڑی پتلی اور باریک لکیریں یہاں کے ندی نالے ہیں۔ سب ندی نالے شمال سے جنوب کی طرف بہتے ہیں۔ اورنگی نالہ اور گوجرو نالہ کراچی شہر کے شمال کی طرف بہتے ہوئے مختلف مقامات پر لیاری ندی سے جا ملتے ہیں۔ لیاری ندی شمال مشرق سے بہتی ہوئی کراچی کے مغرب میں آگرہ تاج کالونی اور لیاری کے پاس بحیرۂ عرب میں گرتی ہے۔

اس کے علاوہ کونکر نالہ' ٹھدو نالہ' مول ندّی' کھدے جی ندّی اور سکن ندّی شمال سے جنوب کی طرف بہتی ہیں۔ ان میں زیادہ تر ندّی نالے ملیر ندّی سے ملتے ہوئے

کراچی ڈویژن
پہاڑ- دریا- ندی نالہ- ریلوے لائن
سڑکیں اور مشہور مقامات
پہاڑ
دریا- ندی نالہ
ریلوے لائن
سڑک پکی
سڑک کچی
مشہور مقامات
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
حب ندی
بحیرۂ عرب
ضلع ٹھٹہ
کراچی
گڈاپ
ملیر ندی
لانڈھی
کورنگی
منوڑا
کیماڑی
بابا بھٹ
ماری پور
پیپری
ڈھابیجی
سکن ندی
پہاڑ
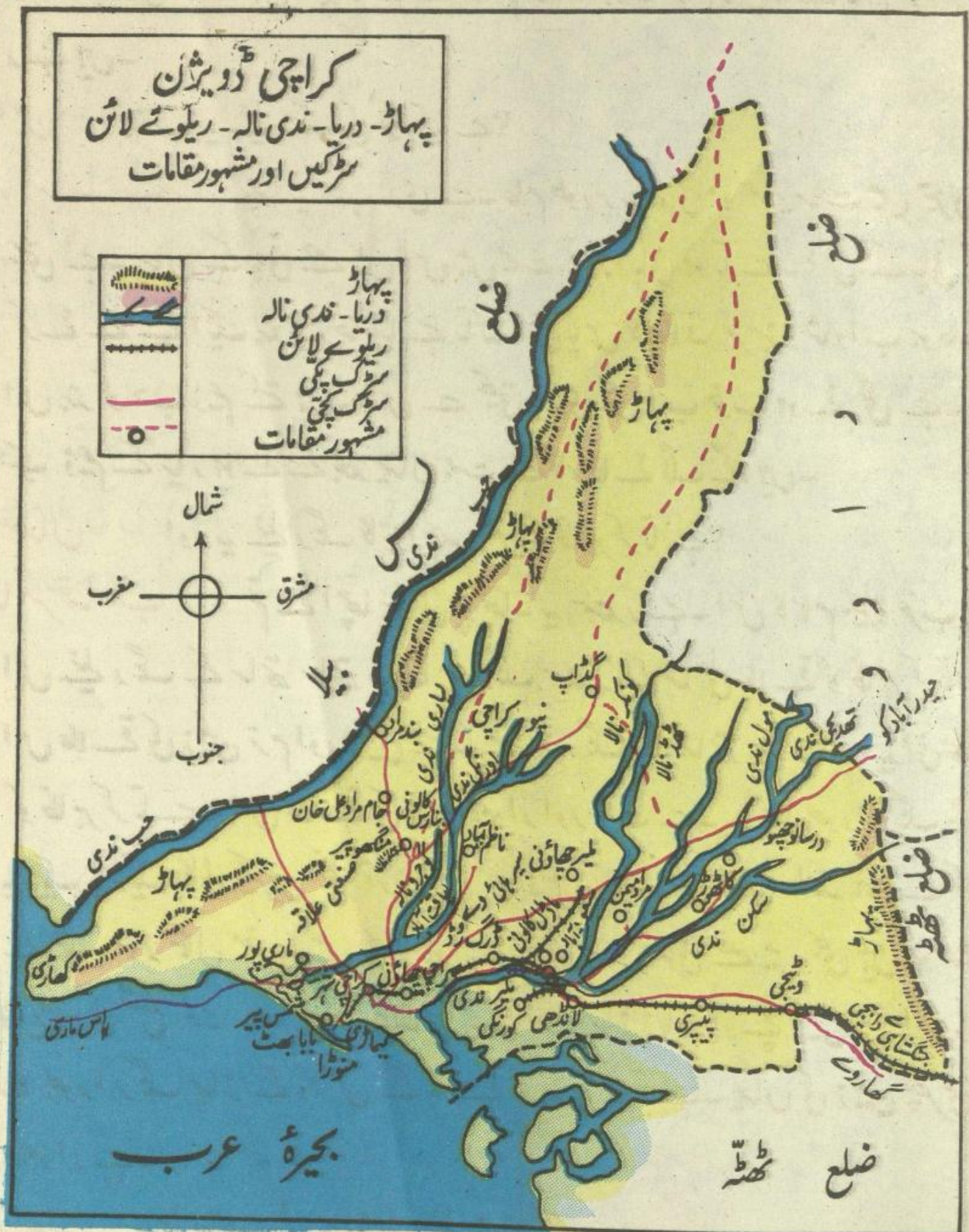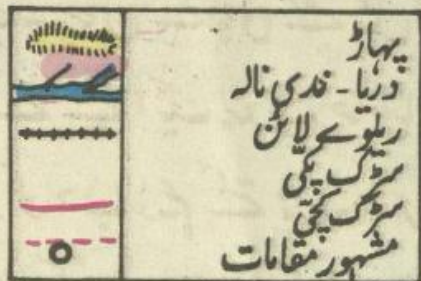
بحیرۂ عرب میں گرتے ہیں۔ برسات کے موسم کے علاوہ یہ تمام ندی نالے عام طور پر خشک رہتے ہیں۔

امین : جناب یہ نیلے رنگ کی لکیر کیا ہے؟

ماسٹر صاحب : بچو! یہ حب ندی ہے۔ عام طور پر یہ ندی موسم برسات میں تیزی سے بہتی ہے۔ سال کے باقی حصے میں اس میں بہت تھوڑا پانی ہوتا ہے۔ اس کے پانی کو جمع کرنے کے لیے ایک بند باندھا گیا ہے تاکہ آس پاس کا علاقہ سرسبز و شاداب ہو جائے۔ اس بند کو حب ڈیم کہتے ہیں۔ اس سے کھیتی باڑی بھی اب خوب ہونے لگی ہے۔ حب ڈیم کے تیار ہونے کے بعد یہاں بہت سے کارخانے لگ گئے ہیں۔

سلمان : اور یہ نیلے رنگ کا بڑا حصہ کس کو ظاہر کرتا ہے؟

ماسٹر صاحب : تم نے اچھا سوال پوچھا۔ یہ سمندر ہے۔ اس کا نام بحیرۂ عرب ہے۔ اس نیلے رنگ کے ساتھ ساتھ یہ ہلکا سبز رنگ سمندر کے ساحلی علاقے کو ظاہر کرتا ہے۔ اس علاقے کی زمین نرم اور ریتلی ہے۔ ہلکے سبز رنگ کے ساتھ پیلا رنگ میدانی علاقے کو ظاہر کرتا ہے۔ اس علاقے کی زمین ہموار اور سخت ہے۔ یہ گہرا بھورا رنگ جس پر باریک باریک کالی لکیریں نظر آرہی ہیں، پہاڑ ہیں۔ پہاڑوں کا یہ سلسلہ ہمارے کراچی کے شمال اور شمال مغرب میں پھیلا ہوا ہے۔ کچھ پہاڑ مشرقی حصے میں بھی ہیں جو ہمارے ڈویژن کو ضلع ٹھٹہ سے علیحدہ کرتے ہیں۔ یہ سب پہاڑ زیادہ اُونچے نہیں ہیں اور ہاں یہ ہلکا بھورا رنگ پہاڑ کے دامن کے علاقے کو ظاہر کرتا ہے۔ یہاں کی زمین پتھریلی اور ناہموار ہے۔

زاہد : ماسٹر صاحب! یہ پہاڑ کس طرح بنے؟

ماسٹر صاحب : یہ زمین، یہ پہاڑ، یہ ندی نالے اور سمندر سب قدرتی طور پر بنے

ہوئے ہیں۔ اسی لیے ہم ان کو قدرتی یا طبعی حصے کہتے ہیں۔ ان حصوں کو دیکھنے کے لیے کسی دن سیر کو چلیں گے۔

آب و ہوا

ماسٹر صاحب نے آج جماعت میں چار رنگوں کا ایک دائرہ نما چارٹ دیوار پر لٹکا دیا۔ فاروق نے ماسٹر صاحب سے پوچھا۔ "جناب یہ گول پہیئے جیسا رنگ برنگا چارٹ کس چیز کا ہے؟"

ماسٹر صاحب : بچو! یہ موسموں کا چارٹ ہے۔ سال میں کل چار موسم ہوتے ہیں۔ سردی، گرمی، خزاں اور بہار۔ دائرے میں نظر آنے والا سرخ رنگ گرمی کی علامت ہے۔ ہلکا گلابی رنگ سردی کے موسم کو ظاہر کرتا ہے، خزاں کے موسم کی علامت زرد رنگ اور بہار کی علامت سبز رنگ ہے۔

موسم کا چارٹ
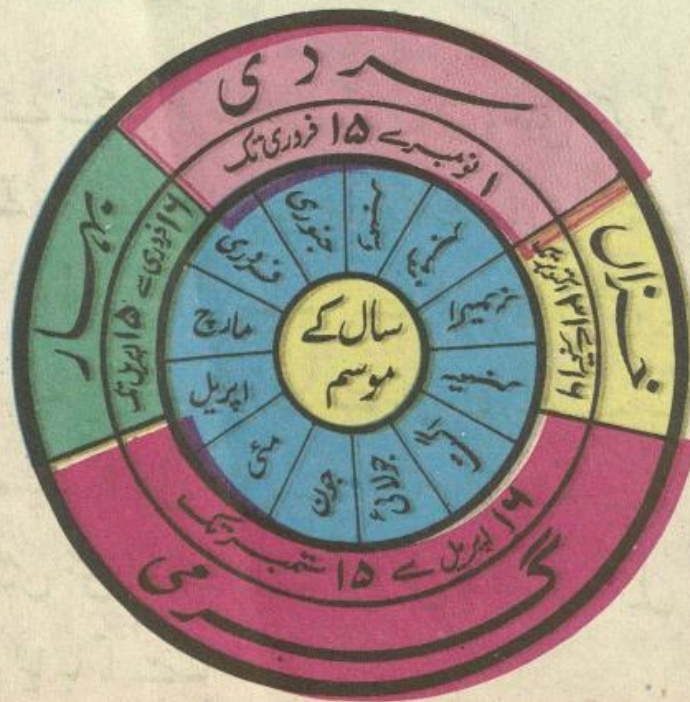
بچّو! بہار کے موسم میں ہوا نہایت خوشگوار ہوتی ہے، ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہوتا ہے، درخت اور پودے پھلوں اور پھولوں سے لدے ہوتے ہیں۔ کراچی سمندر کے کنارے واقع ہے اس وجہ سے یہاں سخت گرمی نہیں ہوتی۔ سمندر کی طرف سے چلنے والی ٹھنڈی ہوائیں گرمی کو کم کردیتی ہیں اور پھر تھوڑی بہت بارش بھی ہوجاتی ہے۔ اسی طرح جاڑے کے موسم میں سردی بھی زیادہ نہیں ہوتی۔ سردی اور گرمی میں ہمارے کراچی کا موسم معتدل رہتا ہے۔ البتہ خزاں کے موسم میں کچھ تیز ہوائیں چلتی ہیں اور کبھی کبھار حبس کی سی کیفیت ہوجاتی ہے۔

بچّو! "سارے سال کے چاروں موسموں کی اس تبدیلی کو آب و ہوا کہتے ہیں۔"

کراچی کی آب و ہوا گرمیوں میں کم گرم اور سردیوں میں کم سرد ہوتی ہے۔ گرمی کے موسم میں ہوا میں نمی کا تناسب گھٹ جاتا ہے جب کہ دوسرے موسموں میں ہوا میں کافی نمی ہوتی ہے، اسی وجہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے علاقے کا موسم معتدل اور مرطوب ہے۔

ڈملوٹی کی سیر

آج جماعت کے بچے ماسٹر صاحب کے ساتھ ڈملوٹی کے کنوئیں دیکھنے گئے۔ بس سے اُتر کر گھومتے پھرتے وہ ایک جگہ پہنچے جہاں بہت ساری مشینیں لگی ہوئی تھیں۔ ماسٹر صاحب نے کہا۔ "بچو! یہ ڈملوٹی ہے۔ اسے نل بازار بھی کہتے ہیں۔ یہ بہت ساری مشینیں آپ دیکھ رہے ہیں، یہ کنوؤں سے پانی نکالنے کے لیے ہیں۔ کافی عرصے سے کراچی شہر کے لیے پینے کا پانی یہیں سے فراہم کیا جاتا ہے۔ آبادی بڑھنے کے ساتھ ساتھ پانی کی مانگ میں بھی اضافہ ہوا۔ آج کل ہالیجی کی جھیل سے بھی بڑی مقدار میں کراچی کو پانی فراہم کیا جاتا ہے۔

ماسٹر صاحب نے بچوں کو یہ بھی بتایا کہ زراعت اور کھیتی باڑی کے لیے پانی بہت ضروری ہے۔ کراچی اور اس کے گرد نواح میں بارش بہت کم ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے یہاں آب پاشی کا ذریعہ یہی کنوئیں ہیں۔ ایسی کاشت جس کا دارومدار صرف کنوئیں کے پانی پر ہو "چاہی کاشت" کہلاتی ہے اور دوسری "بارانی" یعنی برسات کے پانی پر ہونے والی کاشت۔ آب پاشی کا جدید طریقہ ٹیوب ویل ہیں۔ ہمارے علاقے میں ٹیوب ویل کے ذریعے بھی کاشت ہوتی ہے اور کافی تعداد میں یہ ٹیوب ویل، زرخیز زمین والے علاقوں میں لگائے گئے ہیں۔ صرف ملیر کے علاقے میں تقریباً ایک سو پچاس ٹیوب ویل ہیں۔

سلمان : جناب کیا ملیر کے علاوہ بھی کہیں اور ٹیوب ویل لگائے گئے ہیں؟

ماسٹر صاحب : بچو! ملیر کے علاوہ حب ندی کے قریب بند مراد میں بھی ٹیوب ویل لگائے گئے ہیں۔ وہاں بھی ایک زرعی فارم ہے اور اچھی خاصی کاشت ہو جاتی ہے۔

کیماڑی کی سیر

آج ماسٹر صاحب جماعت میں آئے تو اُنھوں نے بچوں کو کیماڑی کی سیر کے لیے تیار پایا۔ سیر پر جانے سے پہلے تمام بچوں کو قطار میں کھڑا کیا اور چند ضروری باتیں سمجھائیں۔ پھر سب مل کر سیر کے لیے روانہ ہوئے۔

بس میں بیٹھ کر بچے بے حد خوش ہوئے اور کھڑکیوں سے جھانک جھانک کر گزرنے والے مناظر کو دیکھ رہے تھے۔

مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے جب کیماڑی پہنچے تو ماسٹر صاحب نے کہا۔ "بچو! یہ کیماڑی ہے۔ یہ ہماری بندرگاہ ہے اور ساری دنیا میں مشہور ہے۔ یہاں دنیا بھر کے

بحری جہاز آتے ہیں۔ یہ بندرگاہ قدرتی ہے۔" سمندر کا نظارہ بے حد خُوبصورت تھا۔ بہت سے بڑے بڑے تجارتی جہاز لنگر انداز تھے۔ کرینوں کے ذریعے ان جہازوں پر مال لادا اور اُتارا جارہا تھا۔ تجارتی جہازوں کے علاوہ مسافر بردار جہاز بھی تھے۔ چھوٹی بڑی کشتیاں اور موٹر لانچیں بھی اِدھر سے اُدھر آجا رہی تھیں۔

سلمان نے پوچھا۔ "جناب یہ کشتیاں کہاں جا رہی ہیں؟"

ماسٹر صاحب : "یہ کشتیاں یہاں سے قریب جزیروں کی طرف جا رہی ہیں۔ وہ دیکھو! اس جزیرے کا نام منوڑا ہے۔ یہ جزیرہ قدرتی طور پر ہماری بندرگاہ کی حفاظت کرتا ہے۔ اس کے علاوہ منوڑہ پر روشنی کا ایک مینار ہے جسے لائٹ ہاؤس کہتے ہیں۔ رات کے وقت اس روشنی کے مینار کی مدد سے سمندری جہازوں کو صحیح راستہ معلوم ہوتا ہے۔"

زاہد : جناب! یہ جہاز کس قسم کے ہیں؟

ماسٹر صاحب یہ ہمارے جنگی جہاز ہیں۔ جو سمندروں میں ہماری حفاظت کرتے ہیں اور وہ دیکھو! وہ ٹینکر ہے۔ یہ تیل پہنچانے آیا ہے۔

کیماڑی پر خوب گھوم پھر کر بچے جب بس میں بیٹھ کر واپس روانہ ہوئے تو ماسٹر صاحب نے پھر بتایا۔

"ہمارے ملک کی تقریباً پوری تجارت اسی بندرگاہ کے ذریعے ہوتی ہے۔"

بس جب اسکول پہنچی تو ماسٹر صاحب نے بچوں سے کہا کہ آج کی سیر کا آنکھوں دیکھا حال کل اپنی کاپی میں لکھ کر لانا۔

کلفٹن کی سیر

پروگرام کے مطابق ہم ماسٹر صاحب کے ساتھ کلفٹن پہنچ گئے۔ وہاں دُور دُور تک پانی ہی پانی نظر آرہا تھا۔ ماسٹر صاحب نے بتایا کہ یہ سمندر ہے۔ اس میں پانی کے جہاز بھی چلتے ہیں۔ بڑا سُہانا منظر تھا۔ ہم سب بہت خوش تھے۔

ماسٹر صاحب ہم سب کو مچھلی گھر لے گئے وہاں چھوٹی بڑی بے شمار قسم کی رنگ برنگی مچھلیاں تھیں۔ ماسٹر صاحب نے ہمیں مچھلیوں کے بارے میں بہت سی باتیں بتائیں۔ جب ہم باہر نکلے تو ماسٹر صاحب نے کہا "دیکھو! وہ "پلے لینڈ" ہے۔ آؤ وہاں چلتے ہیں"۔ ہم سب ماسٹر صاحب کے ساتھ ہو لیے۔ پلے لینڈ میں طرح طرح کے کھیل تھے۔ ڈاجم کاریں، بجلی سے چلنے والے جھولے، کشتیاں اور بہت سی چیزیں تھیں۔ ہم نے ڈاجم کاروں کی سیر کی۔ بہت مزا آیا۔

پھر ہم سب ساحل سمندر پر گئے۔ وہاں کئی لڑکوں نے ماسٹر صاحب سے نہانے کی اجازت مانگی۔ ماسٹر صاحب نے بتایا سمندر میں نہانا نہایت خطرناک ہوتا ہے اس لیے سمندر میں نہیں نہانا چاہیے۔

جب سورج ڈوبنے لگا تو ہم سب بس میں بیٹھ کر واپس گھر آ گئے۔

تیسرا باب

قُدرتی وَسائل

جنگلات

آج بچے جب اسکول پہنچے تو اُنھوں نے دیکھا کہ اسکول کے میدان میں جگہ جگہ گڑھے کھودے جا رہے ہیں اور زمین ہموار کی جا رہی ہے۔ اتنے میں ایک گاڑی اسکول میں آ کر رُکی، جس میں بہت سارے پودے رکھے ہوئے تھے۔ گاڑی دیکھ کر تمام بچے بھی وہیں پہنچ گئے۔ سلمان نے ماسٹر صاحب سے پوچھا۔ "جناب! یہ گڑھے کیوں کھودے جا رہے ہیں؟"

ماسٹر صاحب : بچو! ان گڑھوں میں پیڑ اور پودے لگائے جائیں گے اور یہ جو زمین ہموار کی جا رہی ہے یہاں گھاس لگائی جائے گی۔

بچّو! کسی بھی ملک کی ترقی کے لیے جنگلات بہت ضروری ہوتے ہیں۔ جنگلات زیادہ تر دریاؤں کے کنارے ہوتے ہیں۔ جنگل میں مختلف قسم کے درخت پائے جاتے ہیں مثلاً نیم، کیکر، باہن، شیشم وغیرہ۔ لکڑی سے گھروں کے دروازے، کھڑکیاں، پلنگ، میز، کرسیاں اور بہت سا دوسرا ضروری سامان تیار کیا جاتا ہے۔

لکڑی سے کوئلہ بھی بنایا جاتا ہے۔ جنگلوں سے گوند، لاکھ اور شہد کافی مقدار میں ملتا ہے۔ یہاں لوگ اپنے مویشی بھی چراتے ہیں۔

جنگلوں سے ماحول کی آلودگی کم ہو جاتی ہے اور ہمیں سانس لینے کے لیے صاف اور

شفاف ہوا مُہیا ہوتی ہے۔ ہمیں جنگل کی حفاظت کرنی چاہیے اور زیادہ سے زیادہ درخت لگانے چاہئیں۔

سلمان : جناب! کیا ہمارے ڈویژن میں جنگل بھی ہیں۔

ماسٹر صاحب : بچّو! ہمارے ڈویژن میں بارش کم ہونے کی وجہ سے جنگلات بہت ہی کم ہیں۔ جنگلات کی دو قسمیں ہیں۔ ساحلی جنگلات اور چراگاہی جنگلات۔

ساحلی جنگلات، دریا یا سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں اور عموماً خودرو ہوتے ہیں۔ چراگاہی جنگلات ساحلی علاقے سے دُور ہوتے ہیں۔ اِن میں صرف گھاس اگتی ہے۔

ہمارے ڈویژن کے ساحلی جنگلات کورنگی، بلاک رہڑی، پٹھیانی اور پھڈی کے علاقوں میں ہیں۔ ان میں ایک خاص درخت ہوتا ہے جسے "تمر" کہتے ہیں۔ یہ درخت آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اور آٹھ میٹر لمبا ہوتا ہے۔ ایک اور درخت "سریاب" بھی پایا جاتا ہے۔

ہمارے چراگاہی جنگلات دھابے جی، رن پٹھیانی اور چوہڑ میں ہیں۔ ان میں کئی قسم کی گھاس پیدا ہوتی ہے۔ ڈامن، برٹ، گنڈیر اور جھرنو خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ چراگاہی جنگلات میں درخت برائے نام ہوتے ہیں۔

امین : جناب! ان جنگلوں کی حفاظت کون کرتا ہے؟

ماسٹر صاحب : ان جنگلات کی حفاظت کے لیے باقاعدہ ایک محکمہ ہے جو محکمۂ جنگلات کہلاتا ہے۔ اس کے چوکیدار سارے جنگل میں گھومتے رہتے ہیں، تاکہ لوگ بِلا ضرورت درخت نہ کاٹ ڈالیں کیوں کہ اس سے جنگل کو کافی نقصان پہنچتا ہے۔

چڑیا گھر کی سیر

ماسٹر صاحب نے بچوں سے کہا۔ "آج ہم چڑیا گھر کی سیر کو چلیں گے۔" اس پر بچے بہت خوش ہوئے۔ تھوڑی دیر میں بس آگئی اور سب بچے اس میں بیٹھ کر "چڑیا گھر" پہنچے۔

ماسٹر صاحب نے بچوں کے لیے ٹکٹ خریدے اور سب مل کر چڑیا گھر میں داخل ہوئے۔ ماسٹر صاحب نے بتایا کہ ہمارے شہر کے اس چڑیا گھر میں بہت سے ایسے جنگلی جانور ہیں جو ہمارے ملک میں نہیں پائے جاتے، انھیں باہر سے منگوایا جاتا ہے۔ مثلاً چیتا، شیر، شیر ببر، ہاتھی وغیرہ۔ تم انھیں ستانا نہیں۔ اب تو جنگلی جانوروں کی نسلیں ختم ہوتی جارہی ہیں کیوں کہ لوگ انھیں خواہ مخواہ مارتے ہیں۔ ہماری حکومت نے ان کی حفاظت کے لیے قوانین بنائے ہیں۔
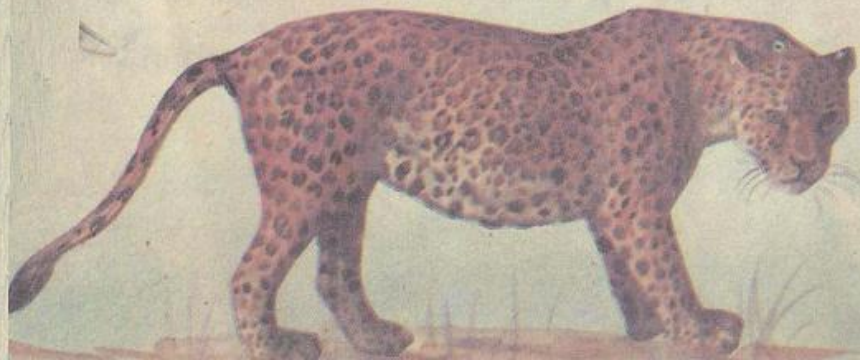
چلتے چلتے ایک کٹہرے کے پاس پہنچے تو بہت سے ہرن نظر آئے جو اِدھر اُدھر دوڑ رہے تھے۔ ماسٹر صاحب نے ان کو دیکھ کر بتایا کہ یہ ہرن ہیں۔ یہ پہاڑ کی تلیٹی میں یا تھر میں ملتے ہیں۔

امین نے پوچھا کہ ماسٹر صاحب اور کون کون سے جنگلی جانور ہوتے ہیں؟

ماسٹر صاحب : خرگوش، سانبھر، بھیڑیا، گیدڑ اور لومڑی وغیرہ سب ہی تو جنگلی جانور ہیں۔ اب آگے چلو اور خود دیکھو۔

آگے بڑھے تو ایک ہاتھی پر بچوں کو بیٹھا دیکھا۔ اس کے قریب ہی بندروں کے جنگلے تھے، کوئی اوپر چڑھ رہا تھا اور کوئی بھپکی دے رہا تھا۔

اس کے بعد جب بچے پرندوں کے جنگلے کے پاس پہنچے تو ماسٹر صاحب نے پوچھا : "کیا تم بتا سکتے ہو کہ ہمارے یہاں کون کون سے پرندے ہوتے ہیں؟"

بچوں نے ایک ایک کر کے نام گنوائے مثلاً چڑیاں، تیتر، کبوتر، کوا، مینا، طوطا، چیل، گدھ۔ ماسٹر صاحب نے ایک پنجرے کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ بتاؤ یہ کون سا پرندہ ہے؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا "مور۔"
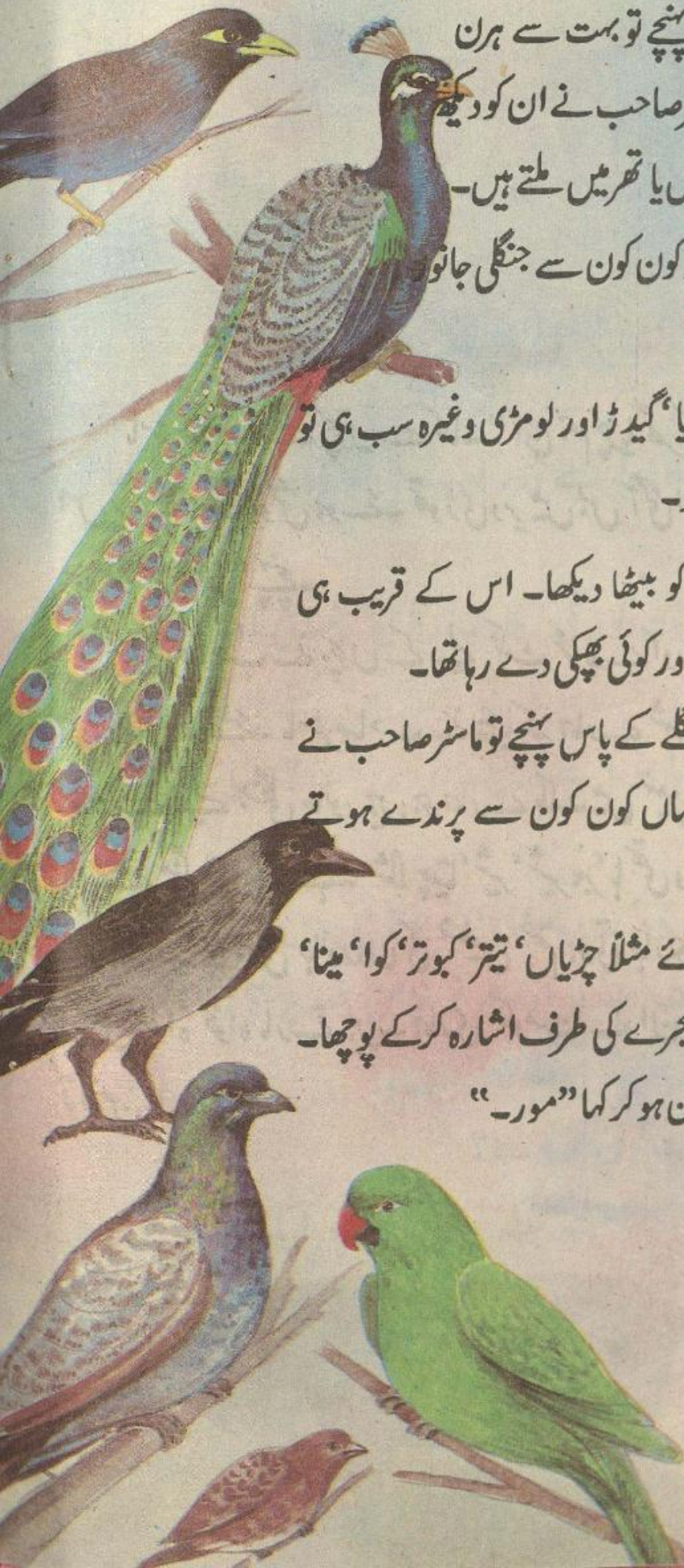
ماسٹر صاحب نے کہا مرغی بھی پرندہ ہے۔ اس کے انڈے اور گوشت کو ہم مزے لے لے کر کھاتے ہیں۔ مرغی کی طرح مور بھی پالتو جانور ہے۔

ماسٹر صاحب نے کہا بچو! مچھلیاں بھی جانور ہیں۔ ہمارے ہاں بہت سی قسم کی مچھلیاں ہوتی ہیں۔ مثلاً روہو، پلّہ، بام، سینگاڑا، لانچی وغیرہ۔

چڑیا گھر کی سیر کرتے کرتے جب سب تھک کر گھاس پر بیٹھے تو امین نے ماسٹر صاحب سے پوچھا : ان جانوروں سے تو ڈر لگتا ہے ان کے فائدے کیا کیا ہیں؟

ماسٹر صاحب : بچو! یہ سب جانور انسان کے فائدے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔

ان کی کھال سے ہمارے جوتے اور دوسری چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ ان کے بال بھی ہمارے کام آتے ہیں۔ قالین، اونی کپڑے اور گرم سوئیٹر جانوروں کی اون سے بنتے ہیں۔ اسی طرح پالتو جانور ہمارے کام آتے ہیں۔ ان میں سے حلال جانوروں کا ہم گوشت کھاتے ہیں، بعض جانور سواری، سامان اُٹھانے، ہل چلانے کے کاموں میں استعمال ہوتے ہیں۔ گائے، بھینس، بھیڑ، بکری، اونٹ حلال جانور ہیں۔ ان کا دودھ بھی ہمارے استعمال میں آتا ہے اور گوشت بھی۔ ان جانوروں کو ہم چوپایہ بھی کہتے ہیں۔

بچو! یہ زمین پر چلنے والے، ہوا میں اُڑنے والے اور پانی میں رہنے والے تمام قسم کے جانور ہمارے کراچی ڈویژن میں پائے جاتے ہیں۔ پالتو جانوروں کی دیکھ بھال ہمارے ذمے ہے اور ہماری گزر زیادہ انہی پر ہے۔ اتنے میں بس آگئی اور سب بچے اس میں سوار ہو کر واپس اسکول پہنچ گئے۔

زمین کے اندر کیا ہے؟ (معدنیات)

امین آج جماعت میں کچھ سیمنٹ لے کر آیا۔ ماسٹر صاحب کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ یہ اپنی جماعت کا فرش ٹھیک کرنے کے لیے لایا ہے، جو ایک دو جگہ سے خراب ہوگیا ہے۔

ماسٹر صاحب : شاباش امین میاں! یہ تو تم نے بہت اچھا کام کیا ہے۔ جلدی سے خراب جگھوں کو ٹھیک کرلو تو میں تمھیں ایک بات بتاؤں۔

امین اور اس کے دوسرے ساتھیوں نے جلدی جلدی فرش کے اُکھڑے ہوئے حصوں میں سیمنٹ بھردی اور ہاتھ دھو کر ماسٹر صاحب کی طرف متوجہ ہوئے۔

ماسٹر صاحب : بچّو! کیا تم جانتے ہو کہ سیمنٹ کس طرح بنتا ہے۔ یہ سوال سُن کر بچے سوچ میں پڑ گئے۔ ماسٹر صاحب نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ بچّو! سیمنٹ، چونے کے پتّھر، مٹّی اور ریت کو آپس میں مِلا کر بنایا جاتا ہے۔ یہ تینوں چیزیں ایک خاص مقدار میں آپس میں ملا کر بھٹیوں میں پکائی جاتی ہیں۔

عالیہ : جناب یہ ریت اور چونے کا پتھر کیسے بناتے ہیں؟

ماسٹر صاحب : بچّو! یہ دونوں قدرتی چیزیں ہیں۔ چُونے کا پتھّر زمین سے کھود کر نِکالا جاتا ہے۔ ہمارے ڈویژن میں یہ پتھّر منگھوپیر، حب ڈیم اور پیپری کے قریب کافی مقدار میں موجود ہے۔

امین : جناب کیا ہمارے ڈویژن میں اور بھی قیمتی چیزیں زمین سے نکالی جاتی ہیں؟

ماسٹر صاحب : چُونے کے پتھر اور ریت کے علاوہ منگھوپیر کی پہاڑیوں، گوٹھ تاج محمد اور پیپری کے قریب سے شیشے کی ریت بھی نکلتی ہے، جسے "سلیکا" کہتے ہیں۔ یہ

تینوں چیزیں ہماری معدنی پیداوار ہیں جو زمین سے نکالی جاتی ہیں۔

بچّو! ان چیزوں کے علاوہ دُنیا میں اور بھی بہت سی چیزیں زمین کے اندر سے نکلتی ہیں۔ لوہا، تانبا، سونا، چاندی، نمک، گندھک، کوئلہ وغیرہ۔ یہ تمام چیزیں معدنیات کہلاتی ہیں۔ زمین کے اندر ان کی بڑی کانیں ہوتی ہیں۔ جہاں سے کھود کر انھیں نکالا جاتا ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کو پُورا کرنے کے لیے زیادہ وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کے پیشِ نظر اپنے موجودہ وسائل کا زیادہ سے زیادہ تحفظ کرنا چاہیے۔

عبدالستار : جناب! کیا پٹرول بھی زمین سے نکالا جاتا ہے؟

ماسٹر صاحب : پٹرول بھی زمین سے نکالا جاتا ہے، جہاں زمین میں پٹرول کے سوتے ہوتے ہیں وہاں بہت گہرے کنوئیں کھودے جاتے ہیں۔ پھر مشینوں کے ذریعے زمین سے تیل نکالا جاتا ہے۔ جسے صاف کرتے ہیں تو مٹّی کا تیل اور پٹرول ہمیں حاصل ہوتا ہے۔

زمین سے حاصل ہونے والی تمام چیزیں انسان کے کام آتی ہیں۔

کارخانے

آج ماسٹر صاحب بچوں کو "دیا سلائی" کا کارخانہ دکھانے لے گئے۔ کارخانے میں چاروں طرف مشینوں پر کام ہو رہا تھا۔ کارخانے کے نگران نے بتایا کہ یہاں سارا کام مشینوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ لکڑی کی کٹائی، چھلائی اور صفائی سے لے کر تیلیوں کے بننے، ان پر مسالہ لگنے اور ڈبیوں میں بند ہونے تک کا سارا عمل مشینیں کرتی ہیں۔ کارخانے کے ایک سرے سے دوسرے تک گھوم کر تمام بچوں نے یہ عمل بڑی حیرت اور دلچسپی سے دیکھا۔ جب پورا کارخانہ گھوم پھر کر سب بچے باہر نکل آئے تو لُبنیٰ نے ماسٹر صاحب سے کہا :

"جناب ہمارے ڈویژن میں اور بھی تو بہت سارے کارخانے ہوں گے؟ وہاں بھی ہمیں لے چلیں۔"
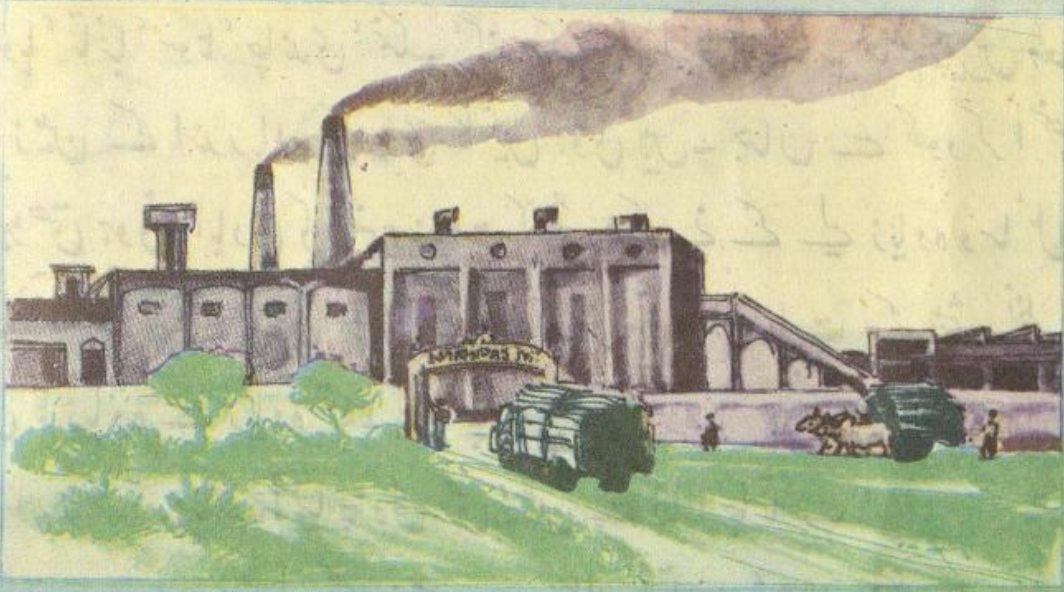
ماسٹر صاحب: بچو! ہمارے ہاں بے شمار کارخانے، ملیں اور فیکٹریاں ہیں۔ سوتی، اُونی اور ریشمی کپڑوں کی ملیں جن میں ولیکا، باوانی، داؤد، پراچہ، آدم جی، الکرم اور حسین کی ملیں مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ دواسازی، صابن سازی، شیشے کے برتن بنانے، سیمنٹ، سگریٹ، کھلونے، بجلی کا سامان، رنگ و روغن، پنسل اور قلم، لوہے کا سامان، فرنیچر بنانے، بلیڈ، بناسپتی گھی اور ٹائلز بنانے کے چھوٹے بڑے بہت سے کارخانے ہیں۔ یہ تمام کارخانے ناظم آباد سے ماری پور تک کے علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لانڈھی دوسرا بڑا صنعتی علاقہ ہے جہاں بڑی فیکٹریاں لگی ہوئی ہیں اور لاکھوں انسان ان کے ذریعہ روزی کماتے ہیں۔

یہ علاقہ جہاں ہم اس وقت موجود ہیں سندھ انڈسٹریل اسٹیٹ (صنعتی علاقہ) کہلاتا ہے۔ یہاں پلاسٹک، شیشے اور چینی کے برتن بنانے کی فیکٹریاں ہیں۔ ان کے علاوہ کپڑے کے کافی کارخانے ہیں۔ ریفریجریٹر، ایئرکنڈیشنر، ریڈیو، ٹرانسسٹر، ٹیلی ویژن وغیرہ کے کارخانے بھی قائم ہوچکے ہیں۔ کورنگی کے پاس پٹرول صاف کرنے کا بہت بڑا کارخانہ

ہے جسے "ریفائنری" کہتے ہیں۔ ان کارخانوں میں دن رات کام ہوتا ہے اور ہزاروں مزدور محنت سے کام کرکے اپنی روزی کماتے اور ملک کی ترقی میں اضافہ کرتے ہیں۔

پیپری کے علاقے میں ایک بہت بڑا فولاد کا کارخانہ بھی کام کررہا ہے جسے "اسٹیل ملز" کہتے ہیں۔ اس سے بہت سے لوگوں کو روزگار مل رہا ہے۔ یہ نہ صرف ہمارے ڈویژن بلکہ پورے ملک کی ترقی میں ایک اضافہ ہے۔

کارخانوں سے نکلنے والا گندا پانی، دھواں اور شور ماحول کو آلودہ کرتے ہیں، جس سے انسان طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اس لیے کارخانے شہروں سے بہت دُور لگانے چاہئیں۔

چوتھا باب

ہماری فصلیں

اناج

ماسٹر صاحب نے الماری سے چند شیشیاں نکال کر میز پر رکھیں۔ ان میں جوُار' باجرا' مکئ' گندم اور چاول کے نمونے رکھے ہوئے تھے۔ سب بچے شیشیوں کو دیکھنے لگے۔ حمید نے پُوچھا۔ "جناب! ان شیشیوں میں کیا ہے؟"

ماسٹر صاحب : بچّو! ان شیشیوں میں مختلف قسم کے اناج کے نمونے ہیں۔ پھر باری باری ماسٹر صاحب نے تمام بچّوں کو بُلا کر اناج کے نمونے دِکھائے اور ان سے اناجوں کے نام بھی پُوچھے جو بچوں نے بتا دیے۔ پھر ماسٹر صاحب نے ان تمام اناجوں کے خوشے بھی ایک چارٹ کے ذریعے دکھائے اور بتایا کہ ربیع کی فصل میں صرف گندم پیدا ہوتی

ہے اور مکئی، چاول، جوار اور باجرا موسم خریف کی فصلیں ہیں۔

سلمان : جناب! کیا یہ سارے اناج ہمارے ڈویژن میں پیدا ہوتے ہیں؟

ماسٹر صاحب : بچّو! ہمارے ڈویژن میں مکئی، تل، جوار اور باجرا تھوڑی مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ پھل اور سبزیاں زیادہ پیدا ہوتی ہیں۔

عالیہ : تو جناب! پھر ہم یہ اناج کہاں سے حاصل کرتے ہیں؟

ماسٹر صاحب : بچّو! ہم یہ سارے کے سارے اناج دوسرے علاقوں سے منگواتے ہیں۔ کچُھ اناج تو تاجر لاکر فروخت کرتے ہیں اور کچُھ حکومت خرید کر کے سرکاری گوداموں میں رکھتی ہے اور وقت ضرورت بازار میں فراہم کرتی رہتی ہے۔

آخر میں ماسٹر صاحب نے کہا۔ "یہ سارے اناج ہمارے لیے کسان پیدا کرتا ہے۔ اس کام میں اسے سخت محنت کرنا پڑتی ہے۔ وہ ہل چلاتا ہے، بیج بوتا ہے، کھیتوں کو سیراب کرتا ہے اور جب فصل پک کر تیار ہوتی ہے تو اس کی دِن رات رکھوالی کرتا ہے، تاکہ جانور اور پرندے اناج کو نقصان نہ پہنچائیں۔"

سبزیاں

ماسٹر صاحب نے سبزیوں کی تصویروں کے دو چارٹ دیوار پر لٹکائے۔ ایک چارٹ پر "سردی کے موسم کی سبزیاں" اور دوسرے پر "گرمی کے موسم کی سبزیاں" لکھا ہوا تھا۔

پہلے چارٹ میں جن سبزیوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں وہ بچوں نے پہچان لیں۔ ماسٹر صاحب ان سے ایک ایک سبزی کا نام پُوچھتے گئے اور بچے بتاتے گئے۔ ماسٹر صاحب نے کہا یہ تمام سبزیاں جن میں مٹر، کدو، بینگن، مُولی شلجم، پیاز، گوبھی، گاجر،

ٹماٹر اور پالک شامل ہیں، سردی کے موسم میں پیدا ہوتی ہیں اور اس دوسرے چارٹ پر مرچ، بھنڈی، تُرئی، اروی، کریلے، خرفہ اور ٹنڈے دکھائے گئے ہیں، یہ سب کی سب گرمی کے موسم کی سبزیاں ہیں۔

سلمان : ہمارے ڈویژن کے کِن کِن حصوں میں سبزیاں پیدا ہوتی ہیں؟

ماسٹر صاحب : بچّو! "سبزیاں سب سے زیادہ ملیر کے علاقے میں پیدا ہوتی ہیں۔ ملیر کی زمین زرخیز ہے۔ یہاں سبزیوں کے علاوہ امرود، پپیتا، کیلے اور پھلوں کے باغات بھی ہیں۔ ملیر سے ہٹ کر کاٹھور، کونکر، مراد میمن، کورنگی، ڈملوٹی اور درسانو چھنو میں بھی کافی سبزیاں ہوتی ہیں۔ حب ندی کے علاقے میں ڈیم قائم ہونے کے بعد سے سبزیوں کی کاشت میں بہت اضافہ ہوا ہے۔
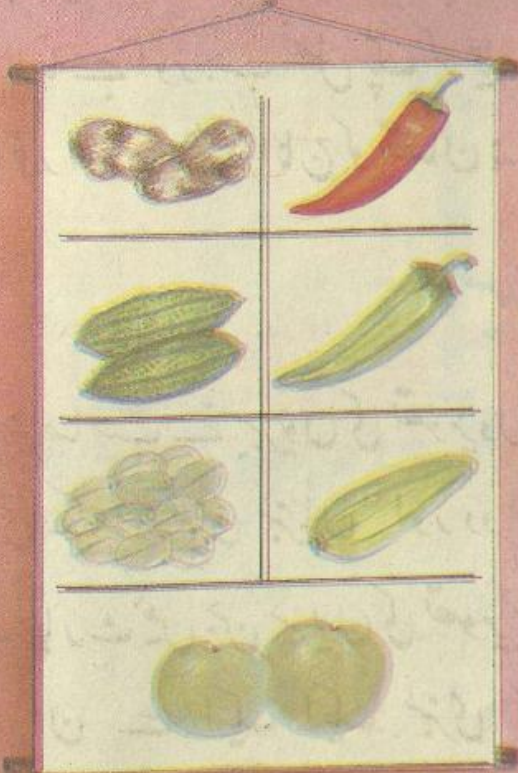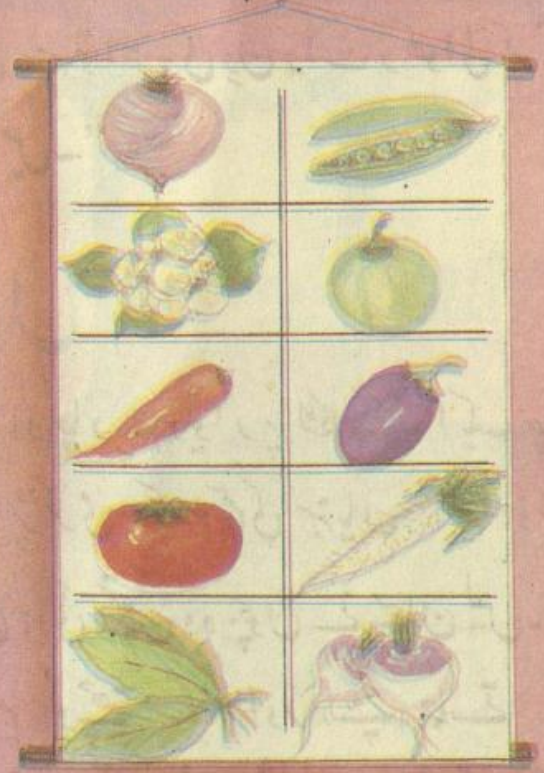
بچّو! سبزیوں کی کاشت کے لیے کچھ زیادہ زمین کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تھوڑی سی زمین میں کافی سبزیوں کی کاشت کی جاسکتی ہے لیکن محنت زیادہ ہے، اِن کی ہر وقت

دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے۔ کیڑے مکوڑوں اور نقصان پہنچانے والے پرندوں سے بچانے کے لیے رات دن اس کی رکھوالی کرنی پڑتی ہے۔ کیڑے مکوڑوں سے بچانے کے لیے سبزیوں کے پودوں پر کیڑے مار دوائیں بھی چھڑکی جاتی ہیں جو زراعت کا محکمہ فراہم کرتا ہے۔ یہ محکمہ کاشت کاروں کو اچھے بیج بھی فراہم کرتا ہے اور اِنھیں کاشت کے جدید طریقے بھی سکھاتا ہے اور ہر قسم کے مشورے بھی مفت دیتا ہے۔

بچّو! کراچی کے اطراف میں سبزیاں کافی مقدار میں پیدا ہونے لگی ہیں۔ لیکن ضروریات پوری کرنے کے لیے دوسرے اضلاع سے بھی سبزیاں منگائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ لوگوں نے اپنے گھروں میں بھی سبزیاں بونا شروع کردی ہیں۔

پھل

آج بچے لانڈھی فروٹ فارم گھومنے کے لیے تیار ہو کر آئے تھے۔ ماسٹر صاحب نے بچّوں کو ساتھ لیا اور فارم پر پہنچ گئے۔ فارم پر چاروں طرف ہَرے بھَرے پیڑ اور پودے لہلہا رہے تھے۔

عالیہ نے آم کے ایک چھوٹے سے درخت کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”جناب وہ دیکھئے کتنا چھوٹا سا درخت ہے، پھر بھی کیریاں لگی ہوئی ہیں۔“

ماسٹر صاحب : بچّو! یہ قلمی آم کا درخت ہے۔ تُخمی آم کے درخت کافی اُونچے ہوتے ہیں لیکن قلمی آم کے درخت قد میں چھوٹے ہوتے ہیں

اور ان کے پھل بڑے اور بہت میٹھے ہوتے ہیں۔ تمام بچے خوشی خوشی فارم میں گھُومتے پھر رہے تھے۔ انھوں نے وہاں آم، امرُود، پپیتے، کیلے، جامن، بیر، فالسے، شریفے، چیکو وغیرہ کے درخت الگ الگ تختوں میں لگے ہوئے دیکھے۔ بہت سے درختوں میں پھل بھی لگے ہوئے تھے۔

ماسٹر صاحب : آپ یہ بات یاد رکھیں کہ سبزیوں کی طرح پھل بھی اپنے اپنے موسم میں ہوتے ہیں۔ آم، فالسہ، جامن، خربوزہ اور تربوز گرمی کے پھل ہیں۔ بیر سردیوں میں ہوتے ہیں۔ کیلا، امرُود، چِیکو اور ناریل دونوں موسموں میں ہوتے ہیں۔

ہمارے ڈویژن میں اس فروٹ فارم کے علاوہ اور بھی چند پھلوں کے فارم ہیں۔ ان میں گورنمنٹ ناریل فارم کورنگی، فتح گارڈن ملیر، لالوکھیت نرسری اور حسین ڈی سلوا گارڈن فارم کافی مشہور ہیں۔

کراچی کی پیداوار

دوسرے دن حمید نے ماسٹر صاحب سے کہا : جناب! کل فروٹ فارم پر جن پھلوں کے درخت ہم نے دیکھے تھے، ان میں سیب، انار، انگور، مالٹے، آلُو بخارے اور خُوبانی کے درخت تو نہیں تھے، پھر یہ پھل ہمارے ہاں کہاں سے آتے ہیں؟

ماسٹر صاحب : بچّو! جس طرح ہم اپنی ضرورت کا سارا اناج دوسرے ضلعوں سے منگواتے ہیں، اسی طرح یہ تمام پھل اور میوے بھی دوسرے ضلعوں سے آتے ہیں۔ ان کے علاوہ ہم ایسی تمام چیزیں جو ہمارے یہاں پیدا نہیں ہوتیں وہ بھی ہم دوسرے ضلعوں سے منگواتے ہیں اور اپنے یہاں کی کچھ چیزیں جو زیادہ مقدار میں پیدا ہوتی ہیں دوسرے ضلعوں کو بھیجتے ہیں۔ اسی طرح ایک دوسرے کی ضرورت پوری ہوتی ہے، آپس کا میل

جول بڑھتا ہے اور لین دین سے ضلعے، ڈویژن اور صوبے کی ترقی میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

آخر میں ماسٹر صاحب نے بچوں کو کراچی میں منگوائی جانے والی چیزیں (درآمدات) اور ڈویژن سے باہر بھیجی جانے والی چیزوں (برآمدات) کے چارٹ دکھائے۔

باہر سے آنے والی چیزیں (درآمدات) :

دالیں، اناج، پھل، خشک میوے، چوڑیاں، کھیل کا سامان، دستکاری کا سامان۔

باہر بھیجی جانے والی چیزیں (برآمدات) :

مچھلی، آلو، چقندر، کیلے، پپیتے، سیمنٹ، جوتے، دوائیں، صابن، شیشے، پلاسٹک کا سامان اور لکڑی کا سامان وغیرہ وغیرہ۔

پانچواں باب

آبادی

ایک ملک میں جتنے لوگ رہتے ہیں وہ اس ملک کی آبادی کہلاتی ہے۔ آبادی میں مرد، عورتیں، لڑکے اور لڑکیاں سب شامل ہوتے ہیں۔ اگر ایک گھر میں زیادہ لوگ ہوں تو ان کے لیے زیادہ چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی ملک میں لوگوں کی مقدار بہت زیادہ ہو تو ملک لوگوں کی ضروریات اچھی طرح پوری نہیں کرسکتا۔ زیادہ لوگوں کے لیے زیادہ خوراک، پانی، روزگار، لباس اور گھروں کی ضرورت ہوتی ہے۔

مردم شماری

ایک دن ماسٹر صاحب جماعت میں آئے تو انھوں نے سلمان سے پُوچھا :

"سلمان میاں آپ کے گھر میں کل کتنے آدمی ہیں؟"

سلمان : جناب! میرے گھر میں کُل پانچ آدمی ہیں۔ امّی، ابّا، میں خود، باجی اور چھوٹا مُنّا۔

ماسٹر صاحب : بچّو! کسی بھی گھر، محلے یا شہر کے تمام لوگ اس گھر، محلے یا شہر کی آبادی ہیں۔ سلمان کے گھر میں کُل پانچ آدمی رہتے ہیں۔ لوگوں کی تعداد معلوم کرنے کے لیے ہر دسویں سال پورے مُلک کے لوگوں کی گنتی کی جاتی ہے تاکہ ان کی رہائش، خوراک، صحت اور تعلیم کا بندوبست کیا جاسکے۔ اگر کسی علاقے کے لوگوں کی تعداد ٹھیک طور پر معلوم نہ ہو تو ان کے لیے مناسب انتظام ناممکن ہوجائے گا اور انھیں ضروری سہولتیں بھی نہ مل سکیں گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر علاقے، شہر، ضلعے،

ڈویژن' صُوبے اور ملک کی مردم شماری کی جائے اور اس کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جائے۔

حمید : "جناب! مردم شماری کون کرتا ہے اور یہ کس طرح کی جاتی ہے؟

ماسٹر صاحب : "بچو! مردم شماری کا ایک باقاعدہ محکمہ ہے۔ ہر ضلع میں اس کا ایک دفتر ہے جو ضلع کے لوگوں کی تعداد کا ریکارڈ رکھتا ہے۔ یہی محکمہ ہر دس سال بعد مردم شماری کرواتا ہے اور یہ معلوم کرتا ہے کہ آبادی میں کتنا اضافہ ہوا۔

1998ء کی مردم شماری کے مطابق ہمارے ڈویژن کی جملہ آبادی 98,02,134 لاکھ ہے۔ جن میں 52,61,712 لاکھ مردوں کی تعداد اور 45,40,422 لاکھ عورتوں کی تعداد ہے۔ ان میں سے 92,69,265 لاکھ لوگ شہر میں رہتے ہیں اور 5,32,869 لاکھ لوگ دیہات میں رہتے ہیں۔ کراچی ڈویژن کی آبادی میں پچھلے اٹھارہ سالوں میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے ملک کی آبادی میں بھی بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ اس وقت ہمارے ملک کی جملہ آبادی تیرہ کروڑ سے زیادہ ہے جب کہ 1981ء میں یہ آبادی آٹھ کروڑ تھی۔

شہر کے پیشے

ماسٹر صاحب : بچو! کل میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ہر علاقے' شہر یا ڈویژن کی ترقی کا انحصار وہاں کے لوگوں پر ہوتا ہے۔ زیادہ محنتی' باصلاحیت' ایمان دار اور صحت مند لوگ اپنے اپنے علاقے' شہر اور ڈویژن کی ترقی کے لیے اچھا کام کرسکتے ہیں۔

بچّو! ایک آدمی تمام کام نہیں کرسکتا اور اسی طرح سارے آدمی بھی ایک ہی کام نہیں کرسکتے۔ کام دھندے یا ہُنر اور پیشے طرح طرح کے ہوتے ہیں اور ہر آدمی الگ

الگ کام یا ہُنر میں مہارت رکھتا ہے اور اسی کے ذریعے اپنی روزی کماتا ہے۔ کپڑے بُننا، سینا اور دھونا، جوتے گانٹھنا، پانی بھرنا، عمارتیں بنانا، لکڑی، لوہے، سونے اور چاندی کا کام کرنا، برتن بنانا، کھیتی باڑی کرنا اور مویشی پالنا، یہ سب کے سب الگ الگ ہُنر اور پیشے ہیں۔ یہ سارے پیشے اہم ہیں اور یہ کام کرنے والے سب ہُنر مند لوگ ہیں۔

یوں تو ہُنر اور پیشے لاتعداد ہیں لیکن چار عام اور مشہور ہیں :

1- زراعت یا کاشتکاری 2- مویشی پالنا 3- ملازمت اور 4- تجارت۔

ہمارے ڈویژن میں کھیتی باڑی کرنے والے کسان یا کاشت کار اور مویشی پالنے والے بہت کم ہیں۔ لانڈھی کے قریب ایک بھینس کالونی ہے، جہاں بھینسیں اور گائیں پالی جاتی ہیں۔ مُرغی خانے یا پولٹری فارم البتہ کچھ زیادہ ہیں۔

ہمارے ڈویژن میں ملازمت کرنے والے اور تجارت کرنے والے بھی ہیں۔ ملازمت کرنے والے دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو مِلوں اور کارخانوں میں مزدوری کررہے ہیں، انہی کی وجہ سے ہمارے کارخانوں اور مِلوں میں رونق ہے اور یہی لوگ ہماری ضرورت کی بہت سازی چیزیں تیار کرتے ہیں۔

بہت سے لوگ ملازم پیشہ ہیں۔ جو مختلف اسکولوں، کالجوں، دفتروں، بینکوں وغیرہ میں لکھنے پڑھنے کے اور انتظامی کام کرتے ہیں۔ یہ لوگ بھی ہمارے شہر کی ترقی کے لیے کام کرتے ہیں۔

ہمارے شہر میں دنیا کی مشہور بندرگاہ ہے اور ایسا ہی مشہور ہوائی اڈا بھی ہے۔ اسی لیے یہاں سے دوسرے شہروں اور ملکوں کو بھی مال بھیجا جاتا ہے اور وہاں سے منگوایا بھی جاتا ہے۔ اس طرح تجارت اور لین دین بہت زیادہ ہوتا ہے۔

بچّو! ہمیشہ یاد رکھو! آدمی چاہے کسان ہو یا مزدور، ہُنر مند ہو یا ملازم پیشہ، ہمارے لیے سب قابل عزت ہیں اور اسی طرح سب پیشے بھی۔

دیہات کے پیشے

زید کے نانا گاؤں میں رہتے تھے۔ ایک دن وہ اپنے والد کے ساتھ گاؤں گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں نہ تو کوئی بڑا بازار ہے، نہ موٹر کاریں اور نہ لوگوں کا شور و غل۔ گھروں کے آگے کہیں بھینس، کہیں بیل، کہیں گائیں اور بکریاں بندھی ہوئی تھیں۔ صبح کو جب مویشیوں کو کھولا گیا اور کسان اپنے ہل اور بیل لے کر کھیتوں پر چلے گئے تو زید نے اپنے والد صاحب سے پوچھا : "ابا جان! یہ لوگ بیل لے کر کہاں گئے ہیں اور وہ جانور جو بندھے ہوئے تھے، انھیں کہاں لے گئے ہیں؟

والد : بیٹے! یہ گاؤں کے لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں اور مویشی بھی پالتے ہیں، یہی ان کے پیشے ہیں۔ وہ دیکھو! تمھارے ماموں ہل چلا رہے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی لوگ اپنے اپنے کھیتوں میں کام کررہے ہیں۔ کِسان بہت محنت کرتے ہیں۔ وہ ہَل چلاتے ہیں، بیج بوتے ہیں، کھیتوں کو پانی دیتے ہیں اور اپنی فصلوں کو نقصان پہنچانے والے کیڑوں، جانوروں اور پرندوں سے بھی بچاتے ہیں۔ فصل تیار ہونے پر بھوسا اور دانے الگ
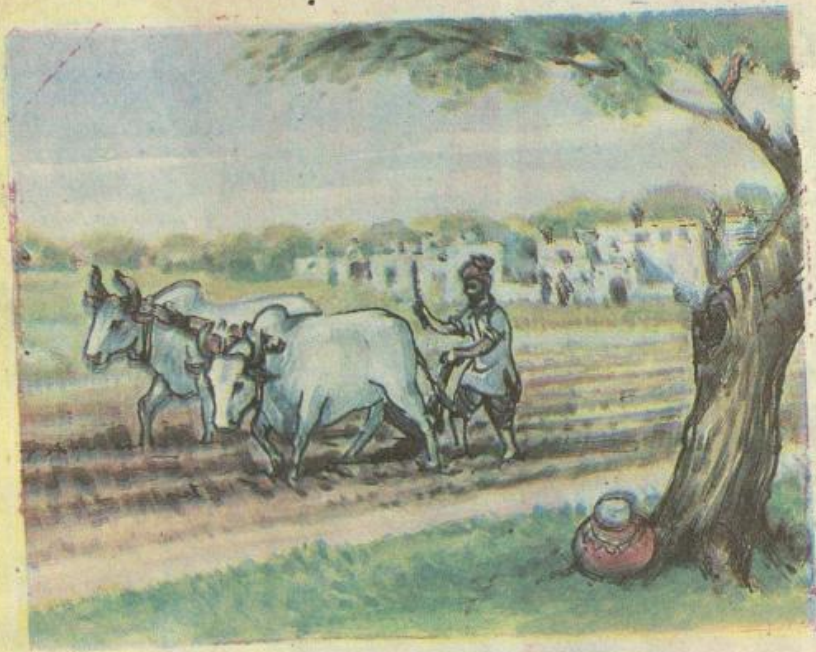
کرتے ہیں۔ اتنی سخت محنت کے بعد ہی کسانوں کو اپنی محنت کا پھل ملتا ہے۔ لیکن اب ہل چلانے، ڈھیلے توڑنے اور کٹائی کرنے کی مشینیں ایجاد ہو چکی ہیں۔ ان سے پیداوار میں اضافہ ہو گیا ہے۔

زید کو بکریوں، گایوں اور بھینسوں کے ریوڑ دکھا کر اس کے والد صاحب نے یہ بتایا کہ گاؤں کے لوگ مویشی بھی پالتے ہیں۔ مویشی پالنا گویا ان کا پیشہ ہے۔ کسی کے پاس بکریاں، کسی کے پاس گائیں اور کسی کے پاس بھینسیں ہیں۔ مویشی پالنے سے انھیں بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ مویشیوں سے دُودھ اور مکّھن ملتا ہے۔ بھیڑوں کی اون اور دوسرے مویشیوں کی کھالیں بیچ کر وہ دولت کماتے ہیں۔ گوبر سے وہ کھاد بناتے ہیں جو ان کے کھیتوں میں کام آتی ہے۔

گاؤں میں کچھ ہُنر مند مثلاً لوہار، کمہار اور بڑھئی بھی رہتے ہیں۔ ان کی بنائی ہوئی چیزیں ہر ایک کے کام آتی ہیں۔

چھٹا باب
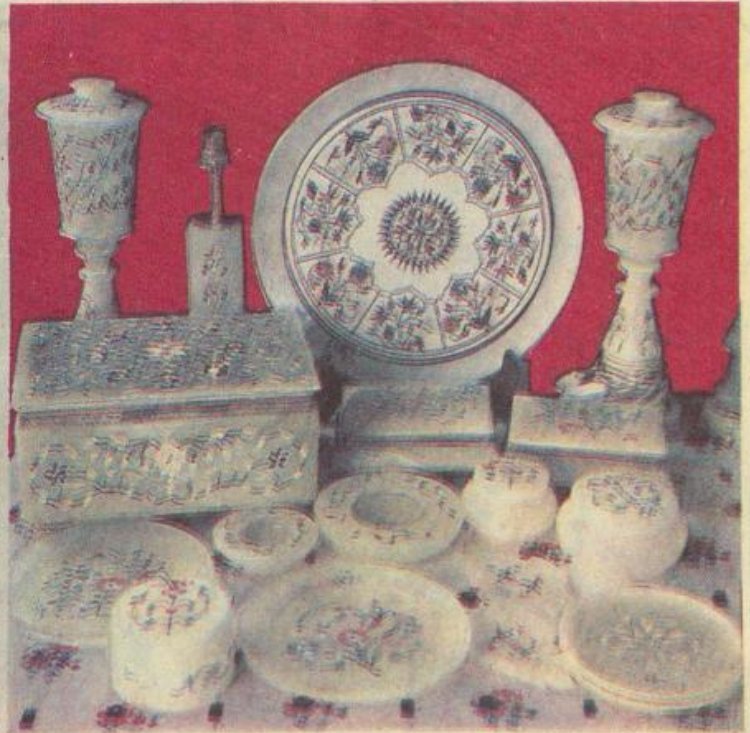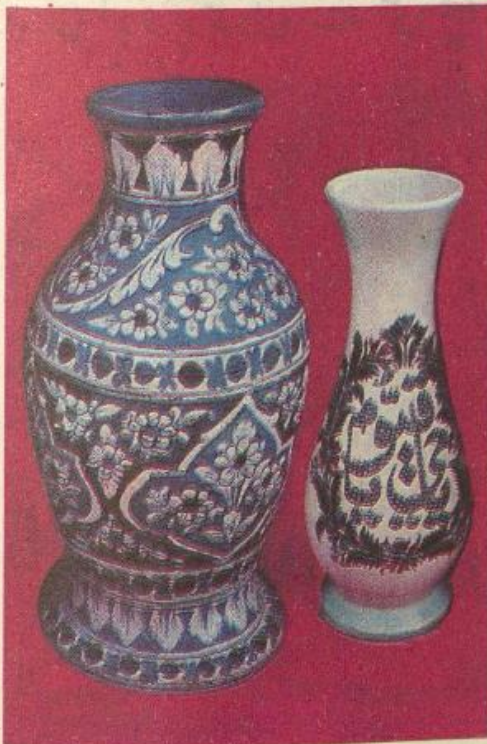
انتظام
کراچی ڈویژن کی دیکھ بھال

صبح کو بچے جماعت میں آئے تو اُنھوں نے دیوار پر ایک بڑا رنگین نقشہ لٹکا ہوا دیکھا۔ وہ نقشے کو غور سے دیکھنے لگے۔ احمد نے کہا یہ پاکستان اسٹیل ملز ہے۔ میرے ابا جان روز سویرے اس میں کام کرنے جاتے ہیں۔ امین نے کہا یہ میرا گاؤں بند مُراد خان ہے' یہاں میں رہتا ہوں۔ محمود نے کہا یہ ماری پُور ہے' میں یہاں سے آتا ہوں۔ اتنے میں ماسٹر صاحب داخل ہوئے اور اُنھوں نے ہمیں بتایا کہ یہ ہمارے کراچی ڈویژن کا نقشہ ہے۔

محمود : جناب! ڈویژن کیا ہوتا ہے؟

ماسٹر صاحب : یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ پاکستان ہمارا ملک ہے۔ اس کے چار صوبے ہیں۔ ہر صوبے کو انتظامی لحاظ سے ڈویژنوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہمارا کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہ صوبۂ سندھ کا صدر مقام بھی ہے۔ اس کے انتظام کو بہتر طور پر چلانے کے لیے اسے ڈویژن کا درجہ دیا گیا ہے۔

امین : جناب! اس نقشے میں یہ جو موٹی لکیریں ہیں ان کا کیا مطلب ہے؟

ماسٹر صاحب : ہمارا کراچی ڈویژن نہ صرف بہت بڑا ہے بلکہ یہاں کی آبادی بھی

سب سے زیادہ ہے۔ کراچی کے انتظام کو اچھی طرح چلانے کے لیے اسے پانچ ضلعوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ یہ موٹی لکیریں پانچوں ضلعوں کی حد بندی ظاہر کرتی ہیں۔

ہر ضلعے کو انتظامی طور پر سب ڈویژنوں میں بھی تقسیم کیا گیا ہے اور ہر سب ڈویژن مختلف تھانوں پر مشتمل ہے۔

احمد : جناب! نقشے میں پانچ رنگ دیئے گئے ہیں۔ یہ رنگ کس بات کو ظاہر کرتے ہیں؟

ماسٹر صاحب : ہر رنگ الگ الگ ضلعوں کو ظاہر کرتا ہے۔

1- ضلع کراچی جنوبی (ڈسٹرکٹ ساؤتھ) زرد رنگ کا علاقہ
2- ضلع کراچی غربی (ڈسٹرکٹ ویسٹ) ہرے رنگ کا علاقہ
3- ضلع کراچی شرقی (ڈسٹرکٹ ایسٹ) سلیٹی رنگ کا علاقہ
4- ضلع کراچی وسطی (ڈسٹرکٹ سینٹرل) گلابی رنگ کا علاقہ
5- ضلع ملیر (ڈسٹرکٹ ملیر) نارنجی رنگ کا علاقہ۔

امین : جناب! یہ تو ضلعوں کی بات ہوگئی۔ ہر سب ڈویژن میں کون کون سے تھانے ہیں؟

ماسٹر صاحب : تمام سب ڈویژنوں کو مختلف تھانوں کے لحاظ سے تقسیم کیا گیا ہے۔ میں تمھیں ضلع وار اِن کی حدود بتاتا ہوں۔

۱۔ ضلع کراچی جنوبی (ڈسٹرکٹ ساؤتھ)

الف- سب ڈویژن سٹی : کھارادر اور میٹھادر۔

ب- سب ڈویژن بغدادی : بغدادی، چاکیواڑہ، کلاکوٹ اور لکری۔

ج- سب ڈویژن سول لائنز : فریئر، کلفٹن، سول لائنز، کہکشاں اور گزری۔

د- سب ڈویژن پریڈی : پریڈی اور آرٹیلری میدان۔

ہ- سب ڈویژن صدر : صدر، محمود آباد اور ڈیفنس پولیس اسٹیشن۔

و- سب ڈویژن گارڈن : گارڈن اور نبی بخش۔

ز- سب ڈویژن عید گاہ : عید گاہ، رسالہ اور نیپئر روڈ۔

2- ضلع کراچی غربی (ڈسٹرکٹ ویسٹ)

الف- سب ڈویژن اورنگی : اورنگی، اورنگی توسیعی، سرجانی، منگھو پیر اور معین آباد۔

ب- سب ڈویژن ہاربر : جیکسن، ٹی پی ایکس، ڈاکس اور پیر آباد۔

ج- سب ڈویژن بلدیہ : بلدیہ، ماڑی پور اور سعید آباد۔

د- سب ڈویژن سائٹ : پاک کالونی، شیر شاہ اور سندھ انڈسٹریل ایریا۔

3- ضلع کراچی شرقی (ڈسٹرکٹ ایسٹ)

الف- سب ڈویژن جمشید کوارٹرز : جمشید کوارٹرز، سولجر بازار، نیو ٹاؤن، مبین آباد اور گلشنِ اقبال۔

ب- سب ڈویژن فیروز آباد : فیروز آباد، بہادر آباد، ٹیپو سلطان اور بریگیڈ۔

ج- سب ڈویژن لانڈھی کورنگی : لانڈھی، کورنگی، کورنگی انڈسٹریل ایریا اور زمان ٹاؤن۔

د- سب ڈویژن ماڈل کالونی : سعود آباد، کھوکھراپار اور ماڈل کالونی۔

ہ- سب ڈویژن شاہ فیصل : شاہراہ فیصل اور شاہ فیصل کالونی۔
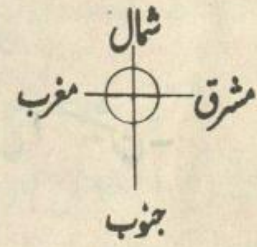
نقشہ کراچی ڈویژن
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
علامات
ضلع جنوبی
ضلع غربی
ضلع شرقی
ضلع وسطی
ضلع ملیر
ڈویژن کی حدود
ضلع کی حدود
سپر ہائے وے
ریلوے لائن
ضلع ملیر
لس بیلہ
ضلع غربی
بندمرادخاں
سپر ہائی وے
ضلع وسطی
ضلع جنوبی
ائیرپورٹ
اسٹیل ٹاؤن
نیشنل ہائی وے
ابراہیم حیدری
پورٹ قاسم
درسانو چھنو
منوڑا
بحیرۂ عرب
ٹھٹہ
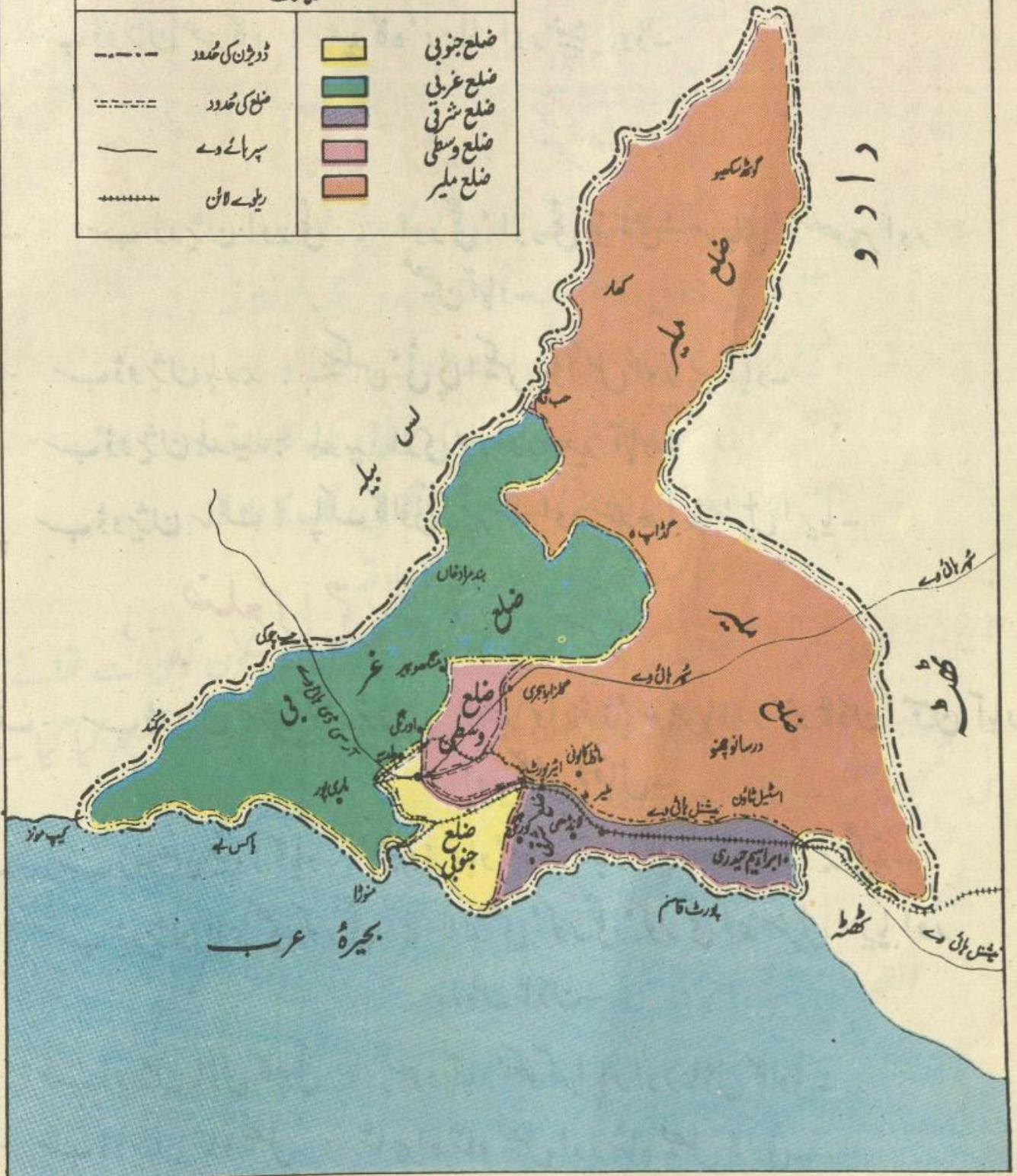
4 - ضلع کراچی وسطی (ڈسٹرکٹ سینٹرل)

الف - سب ڈویژن لیاقت آباد : لیاقت آباد، گلبرگ اور جوہر آباد۔

ب - سب ڈویژن ناظم آباد : ناظم آباد اور گلبہار۔

ج - سب ڈویژن نئی کراچی : نئی کراچی، نارتھ ناظم آباد اور خواجہ اجمیر نگری۔

5 - ضلع ملیر (ڈسٹرکٹ ملیر)

الف - سب ڈویژن ایئرپورٹ : ایئرپورٹ، گلزار ہجری اور ملیر کینٹ۔

ب - سب ڈویژن گڈاپ : گڈاپ اور ملیر سٹی۔

ج - سب ڈویژن بن قاسم : قائد آباد، بن قاسم، اسٹیل مل اور سکھن۔

محمود : جناب! کراچی ڈویژن بہت بڑا ہے۔ اس کے پانچ ضلعے ہیں اور پھر ان کے سب ڈویژن۔ ان سب کا انتظام کیسے چلتا ہے؟

ماسٹر صاحب : انتظامی لحاظ سے جس طرح کراچی ڈویژن کو ضلعوں، سب ڈویژنوں اور تھانوں میں تقسیم کیا گیا ہے، اسی طرح اس کے انتظام کے لیے ذمہ دار افسر بھی مقرر ہیں :

الف - سارے ڈویژن کا سربراہ کمشنر کہلاتا ہے، جو پانچوں ضلعوں کی نگرانی کرتا ہے۔

ب - ہر ضلعے کے اعلیٰ افسر کو ڈپٹی کمشنر کہتے ہیں، جو ضلعے کے انتظام کے علاوہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے فرائض بھی انجام دیتا ہے۔ یہ اپنے ضلع کا بڑا عملدار ہوتا ہے۔ اس کا کام اپنے ضلعے میں امن و امان قائم رکھنا ہے۔ حکومت کی پالیسیوں اور ترقیاتی کاموں میں ربط باہمی کے فرائض بھی انجام دیتا ہے۔ ڈپٹی کمشنر کے ماتحت کئی اسسٹنٹ کمشنر بھی ہوتے ہیں۔

ج - ڈپٹی کمشنر مال افسر کی حیثیت سے کلکٹر کے کام بھی کرتا ہے۔ ان کے تحت مختار کار اور تپہ دار اپنے اپنے کام کو ذمہ داری سے ادا کرتے ہیں۔

جناب! مختار کار کے ذِمے کیا کام ہوتا ہے؟

ماسٹر صاحب : مختار کار کے ذِمے سروے زمین کے رکارڈ رکھنے کا اہم کام ہوتا ہے۔ لگان وصول کرنا، پلاٹوں کے داخل وانتقال۔

اب تم اچھی طرح سمجھ گئے کہ ہمارے ڈویژن، اس کے اضلاع اور سب ڈویژنوں کا انتظام اتنی خوبی سے کس طرح سرانجام پاتا ہے۔

بلدیہ عظمیٰ، میونسپل کمیٹی اور ضلعی کونسل

سعد : اپنے ابّا کے ساتھ محمد علی جناح روڈ پر جا رہا تھا۔ اُس نے ایک خوبصورت عمارت دیکھی تو اپنے ابّا سے پوچھا :

ابّا جان! اس عمارت کو کیا کہتے ہیں؟

ابّا جان : بیٹے! یہ "بلدیہ عظمیٰ کراچی" کی عمارت ہے۔ اس میں بلدیہ کے دفاتر ہیں۔

سعد : ابا جان! بلدیہ کیا ہوتی ہے؟

ابا جان : بیٹے! بلدیہ شہریوں کی خدمت کا سب سے بڑا عوامی ادارہ ہے۔ بلدیہ شہر کی صفائی سُتھرائی، سڑکوں کی مرمت، فٹ پاتھ بنوانا، روشنی کا انتظام، باغات کا قیام، ابتدائی تعلیم کا انتظام، محلے میں لائبریریوں کا جال پھیلانا، تفریحی و صحت کے مراکز، کھیلوں کے میدان وغیرہ بنوانے کی ذمہ دار ہے۔

کراچی کے پانچوں ضلعوں کی سطح پر ضلعی میونسپل کمیٹیاں ہیں۔ شرقی اور غربی ضلعوں

میں ایک ضلعی کونسل بھی ہے۔

سعد : ابا جان! یہ میونسپل کمیٹیاں اور ضلعی کونسل کیا ہیں؟

ابا جان : بیٹے! میونسپل کمیٹیاں ہر ضلعے میں عوام کی خدمت کے ادارے ہیں۔ پچیس ہزار سے پانچ لاکھ کی آبادی کے علاقوں کے لیے میونسپل کمیٹی ہوتی ہے۔ ضلعے کے دیہی آبادی والے علاقوں کے لیے ضلعی کونسل ہوتی ہے۔ ان کی نگرانی کے لیے چیئرمین اور وائس چیئرمین ہوتے ہیں۔

بیٹے! تم نے یہ نہیں پُوچھا کہ یہ ضلعی کونسل کیا کام انجام دیتی ہے۔ ضلعی کونسل کے ذمہ صفائی، روشنی کا انتظام کرنا، کھیلوں کے مقابلے کرانا۔ لائبریریوں کا قیام اور عوام کے لیے تفریحی مراکز قائم کرنا ہے۔

ہمارے شہر کے ہر ضلع میں ایک ایک میونسپل کمیٹی ہے۔ ہر میونسپل کمیٹی میں عوام کے چُنے ہوئے نمائندے ہوتے ہیں جو "کونسلر" کہلاتے ہیں۔ ان پانچوں میونسپل کمیٹیوں پر ایک اور کمیٹی قائم کردی گئی ہے جو "بلدیہ عظمیٰ کراچی" یا "کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن" کہلاتی ہے۔ اس ادارے کو چلانے کے لیے ایک میئر اور ایک ڈپٹی میئر منتخب کیے جاتے ہیں۔

عدالتیں

سلمان اور اس کے ابو باتیں کرتے جارہے تھے کہ سلمان نے کچھ دُور ایک عمارت سے باہر لوگوں کا ایک بڑا مجمع دیکھا۔ اس نے ابّو سے پُوچھا کہ یہ لوگ وہاں کیوں جمع ہیں۔ اس کے ابّو نے جواب دیا کہ یہ عدالت ہے۔ یہاں انصاف ہوتا ہے اور لوگوں کے جھگڑوں کے فیصلے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ یہاں اپنے اپنے جھگڑوں کے فیصلے کرانے کے لیے آئے ہیں۔ ان میں کچھ فریادی (مُدّعی) ہیں اور کچھ ملزم (مُدّعا علیہ) ہیں۔ کالے رنگ کے کوٹ پہنے ہوئے جو لوگ اِدھر سے اُدھر آتے جاتے نظر آرہے ہیں، وکیل ہیں۔ وکیلوں کا کام عدالت کے طریقوں سے واقف کرانا ہے۔ یہ عدالت کے کاموں میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ جب بھی کوئی آدمی کوئی غلطی یا غیر قانونی کام کرتا ہے (جیسے چوری، ڈکیتی، دنگا فساد وغیرہ) تو عدالت میں اس کے خلاف مُقدّمہ چلایا جاتا ہے۔ مقدمے کا فیصلہ مجسٹریٹ کرتا ہے۔ مجسٹریٹ کا کام انصاف کرنا ہے۔ فیصلہ کرنے سے پہلے

مجسٹریٹ فریادی، ملزم اور گواہوں کے بیانات علٰحدہ علٰحدہ سننے کے بعد فیصلہ کرتا ہے۔
یہ فوجداری عدالتیں ہوتی ہیں۔

ان کے علاوہ روپے پیسے، لین دین، زمین، جائیداد، کاروباری جھگڑوں کے فیصلے کے لیے "دیوانی عدالتیں" قائم ہیں، جن کے منصف کو "جج" کہتے ہیں۔

فیکٹریوں، ملوں اور مزدوروں کے معاملات طے کرنے کے لیے مزدور عدالتیں یا "لیبر کورٹ" قائم ہیں۔

فوجداری، دیوانی اور لیبر کورٹ ہر عدالت کے اختیارات الگ الگ ہیں اور ہر عدالت الگ الگ قسم کے مُقدّمے سُنتی اور فیصلے کرتی ہے اور یہ عدالتیں ہر ضلعے میں ہوتی ہیں۔

ہمارے صوبے کی سب سے بڑی عدالت "عدالت عالیہ" یا ہائی کورٹ کہلاتی ہے، جو کراچی شہر میں ہے۔ جہاں چھوٹی عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیل اور بڑے مقدموں کے فیصلے ہوتے ہیں۔ عدالت عالیہ کے منصف کو "جسٹس" اور سب سے بڑے منصف کو "چیف جسٹس" کہتے ہیں۔
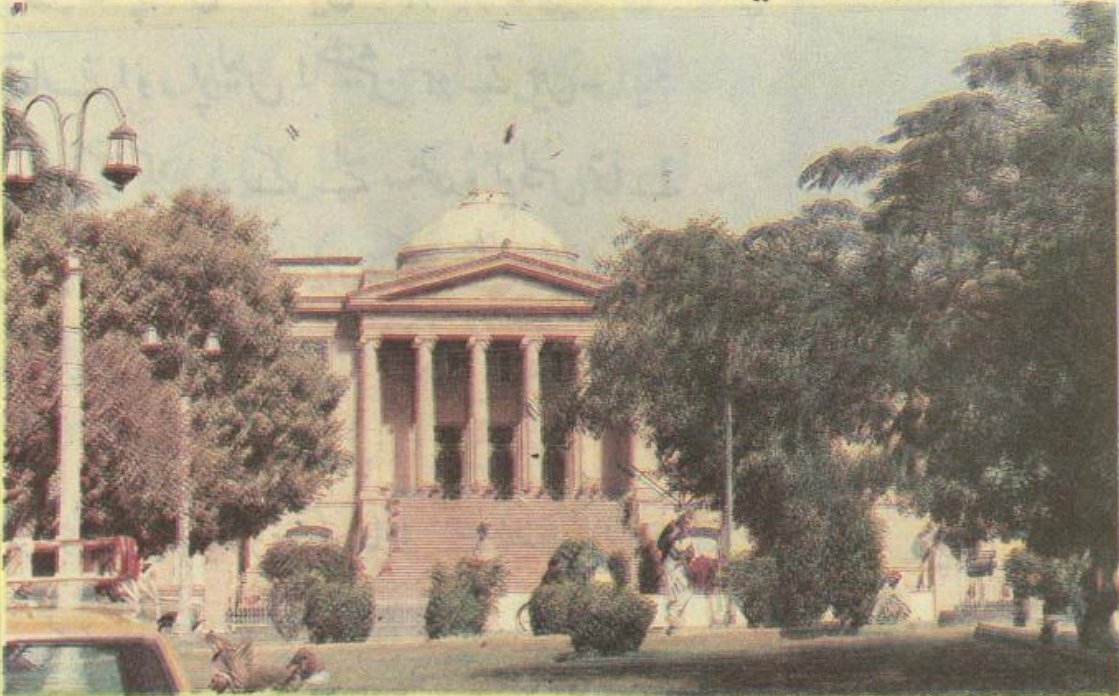
اگر یہ عدالتیں نہ ہوں تو انصاف کا حاصل کرنا مشکل ہو جائے اور چور، غنڈے لوگوں کو پریشان کریں۔ ایسے لوگوں کو یہ عدالتیں قانون کے مطابق سزائیں دیتی ہیں۔

ہم سب پر یہ فرض ہے کہ ہم قانون کی پابندی اور اس کا احترام کریں۔

پولیس

دوسرے دن جماعت میں سلمان اپنے ساتھیوں کو ابّا سے سُنی ہوئی باتیں بتا رہا تھا۔ عالیہ نے کہا "سلمان بھائی یہ چور اور ڈاکو تو بہت خراب ہوتے ہیں۔ اِنھیں کون پکڑتا ہے؟

ماسٹر صاحب : بچو! چور، غنڈے اور بدمعاش واقعی خراب لوگ ہوتے ہیں۔ اُنھیں پولیس پکڑتی ہے۔ پولیس عوام کی محافظ ہے۔ پولیس قانون توڑنے والوں اور جُرم کرنے والوں کو ڈھونڈ نکالتی ہے اور اُنھیں عدالت میں پیش کرتی ہے۔

اس کے علاوہ پولیس کا کام امن و امان قائم کرنا ہے وہ لوگوں کے جان و مال کی حِفاظت کرتی ہے۔ پولیس کے ضلعے کے سب سے بڑے افسر کو سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس کہتے ہیں۔ ہر شہر اور علاقے میں کئی تھانے اور پولیس اسٹیشن ہوتے ہیں۔

مجرموں کو پکڑنے کے لیے علٰحدہ پولیس تھانے ہوتے ہیں اور ٹریفک کو قابو میں رکھنے کے لیے ٹریفک پولیس ہوتی ہے۔

ہمارا ڈویژن آبادی کے لحاظ سے بہت بڑا ہے اس لیے یہاں پولیس کا انتظام بھی بڑے پیمانے پر کیا گیا ہے۔

بچّو! پولیس عوام کی خادم ہے۔ اس کا کام امن و امان قائم رکھنا، مجرموں کو سزائیں دلوانا اور شہریوں کے حُقوق کی حفاظت کرنا ہے۔

ٹریفک کے اشارے

آج حمید اور حفیظ سیر کو نکلے۔ سڑک پر چلتے ہوئے جب چوراہے پر پہنچے تو اُنھوں نے دیکھا کہ چوراہے کے بیچ میں ایک کھمبا لگا ہُوا ہے۔ کھمبے کے چاروں طرف تین تین بتیاں لگی ہوئی ہیں۔ ان بتیوں کا رنگ سرخ، پیلا اور ہرا ہے۔ جب سُرخ بتی جلتی تھی، گاڑیاں رُک جاتی تھیں اور جب ہری بتی جلتی تھی، گاڑیاں چوراہے سے گزرنے لگتی تھیں۔ اُنھوں نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ شاید ان بتیوں کو کوئی جلا رہا ہے لیکن وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ دوسرے دِن اُنھوں نے کلاس میں ماسٹر صاحب سے اِن بتیوں کے بارے میں پُوچھا۔ ماسٹر صاحب اِن کے سوال سے بہت خوش ہوئے، اُنھوں نے بچوں کو بتایا۔

بچّو! چوراہے پر چاروں طرف سے گاڑیاں آتی ہیں۔ اگر یہ گاڑیاں ایک ساتھ اس چوراہے سے گزرنے کی کوشش کریں تو ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گی اور حادثہ ہو جائے گا۔ لہٰذا چوراہے پر یہ بتیاں لگائی جاتی ہیں تاکہ گاڑیاں باری باری چوراہے سے محفوظ طریقے پر گزر سکیں۔ ان بتیوں کو "ٹریفک سگنل" یا ٹریفک کے اِشارے کہتے ہیں۔ جو گاڑیوں کو اس بات کا اِشارہ دیتی ہیں کہ اُنھیں کب رُکنا ہے اور کب چلنا ہے۔ ٹریفک سگنل میں تین رنگ کی بتیاں ہوتی ہیں۔ سرخ، پیلی اور سبز۔ سرخ بتی ٹریفک رُکنے کا اِشارہ ہے، پیلی بتی کا مطلب ہے ہوشیار رہیے اور اگلے اِشارے کا انتظار کیجیے، سبز بتی کا مطلب ہے اب آپ سڑک پار کر سکتے ہیں۔

ماسٹر صاحب : ایسے چوراہوں پر جہاں ٹریفک کی بتیاں لگی ہوئی ہوتی ہیں کے حصے کو "زیبرا کراسنگ" یا سڑک پار کرنے کی مخصوص جگہ کہتے ہیں۔ سڑک پر پیدل چلنے والے
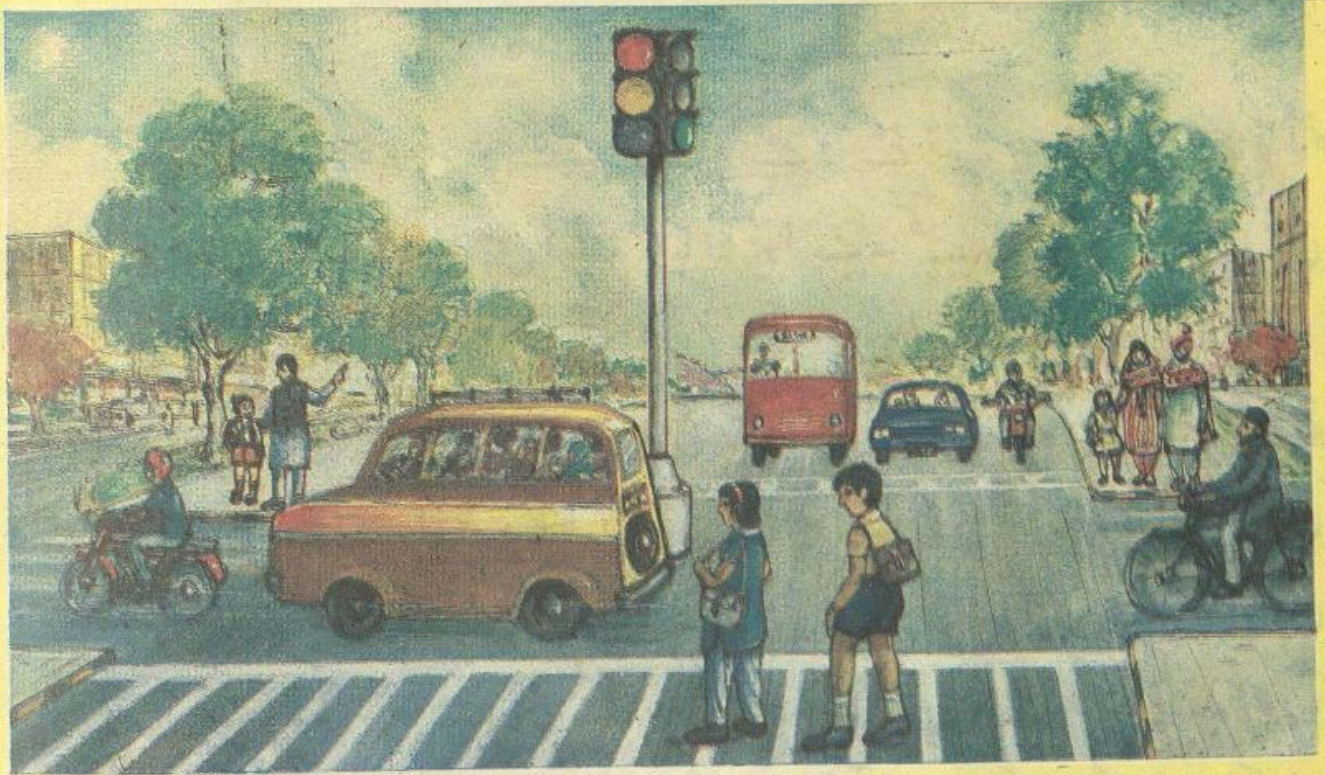
صرف اس وقت سڑک پار کریں جب ان کے سامنے سرخ بتی جلی ہوئی ہو اور دائیں بائیں کی گاڑیاں رُکی ہوں۔ پیدل چلتے ہوئے سڑک ہمیشہ اس جگہ سے پار کریں جو سڑک پار کرنے کے لیے مخصوص کی گئی ہو۔

حفیظ! نے ایک اور سوال پُوچھا۔

ماسٹر صاحب : جناب! سڑک پار کرنے والوں کے لیے جو مخصوص حصہ ہوتا ہے، اس کی کیا پہچان ہے؟

بچو! چوراہے کے چاروں طرف اور عام سڑکوں پر سفید اور کالی پٹیاں بنی ہوتی ہیں، جیسے کہ زیبرے کے جسم پر بنی ہوتی ہیں۔ ان کالی اور سفید لائنوں کے اس حصے پر

پیدل سڑک پار کرنے والوں کا پہلا حق ہوتا ہے۔ جب اس حصے سے آپ سڑک پار کریں گے تو گزرنے والی گاڑیاں رک جائیں گی لیکن پھر بھی یہ مناسب ہے کہ آپ "زیبرا کراسنگ" پر سڑک پار کرنے سے پہلے دائیں بائیں اچھی طرح دیکھ لیں، پھر گاڑیوں کی آوازیں سنیں اور جب اطمینان ہو جائے کہ کسی بھی طرف سے کوئی تیز رفتار گاڑی نہیں آرہی ہے تو سڑک پار کریں۔ یہاں ایک بات اچھی طرح یاد رکھیں کہ جس قدر ممکن ہو "زیبرا کراسنگ" ہی سے سڑک پار کریں، کیوں کہ یہ محفوظ جگہ ہوتی ہے۔

حفیظ اور حمید نے "ٹریفک سگنل" یا ٹریفک کے اشاروں کے بارے میں مفید باتیں بتانے پر اپنے اُستاد کا شکریہ ادا کیا اور چھُٹی کے بعد خوش خوش گھر پہنچے تا کہ اپنے دوستوں اور چھوٹے بہن بھائیوں کو بھی ٹریفک کے اِشاروں کے بارے میں بتا سکیں۔

تعِلیم

ایک دن ضلعی ایجوکیشن افسر برائے پرائمری اسکولز ہمارے اسکول میں تشریف لائے۔ اسکول کا معائنہ کرنے کے بعد اُنھوں نے بچوں کے سامنے تقریر کی اور ضلع میں تعلیمی ترقی اور انتظام کے بارے میں بتایا کہ :

میں ضلعی ایجوکیشنل افسر برائے پرائمری اسکولز ہوں۔ میرا کام اپنے علاقے کے تمام پرائمری اسکولوں کی نگرانی کرنا ہے۔ آپ کے اسکول جیسے اور بھی بہت سے اسکول ہیں جہاں آپ ہی کی عمر کے بچے روزانہ تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں۔ بچّو! ہمارے صوبے کے ہر ضلعے میں ایک ضلعی ایجوکیشن افسر برائے پرائمری اسکولز اور ایک ضلعی ایجوکیشن افسر برائے سیکنڈری اسکولز ہوتا ہے۔

تعلیم کی نگرانی کے لیے اس ڈویژن کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر حصہ "زون" کہلاتا ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم کی نگرانی کے لیے بھی کراچی ڈویژن کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

اِنتظامی محکموں کا باہمی تعلّق

دوسرے دن جب ماسٹر صاحب کلاس میں آئے تو انھوں نے بچوں سے کہا : یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہمارے ڈویژن میں بہت سے محکمے ہیں۔ مثلاً بلدیہ، ضلعی کونسل، عدالت، پولیس، تعلیم وغیرہ۔ ان سب کے الگ الگ افسر بھی ہیں لیکن انتظامی معاملات کے سلسلے میں ڈویژن کے تمام محکمے ڈویژن کے افسر کمشنر کے ماتحت ہوتے ہیں۔

تمام لوگوں کی بھلائی کے لیے یہ سب کے سب محکمے آپس میں مِل جُل کر کام کرتے ہیں۔ ضلعی کونسل ترقیاتی کام کرتی ہے۔ پولیس امن و امان قائم کرتی ہے۔ بلدیہ عظمیٰ کراچی صفائی، صحت اور سڑکوں کی دیکھ بھال کرتی ہے۔

اس طرح یہ سارے محکمے کراچی ڈویژن کی ترقی کے لیے علیحدہ علیحدہ اور مِل جُل کر کام کرتے ہیں۔ ہر محکمہ دوسرے محکمے سے ضرورت کے وقت مدد لے سکتا ہے۔ ان انتظامی محکموں کا آپس میں گہرا باہمی تعلق ہوتا ہے۔

ساتواں باب

رفاہِ عامّہ کے کام

(عوامی بھلائی کے کام)

ماسٹر صاحب جب جماعت میں داخل ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ تمام بچے آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ اُنھوں نے سلمان سے پوچھا۔ "سلمان! کیا بات ہے؟ تم کیا باتیں کر رہے ہو؟"

سلمان : جناب! باہر دروازے پر دو تین اشتہار لگے ہوئے ہیں۔ جن پر لکھا ہُوا ہے کہ جمعہ کے دن سے عوامی بھلائی کے لیے ڈاکٹروں کی ایک جماعت لوگوں کی آنکھوں کا مفت علاج کرے گی۔

حمید : جناب! یہ عوامی بھلائی سے کیا مراد ہے؟

ماسٹر صاحب : ایسے تمام کام جن سے عام آدمی کی بھلائی ہو' عوامی بھلائی کے کام ہیں۔ مثلاً غریبوں اور بیواؤں کی مدد کرنا' مدرسے اور اسپتال قائم کرنا' نل اور سبیلیں لگوانا' کنویں کھدوانا' مسافر خانے بنوانا وغیرہ۔

عوامی بھلائی کے بہت سے ادارے ہیں جو عام شہریوں کی مدد کرتے ہیں۔ عوامی بھلائی کے کام ایک آدمی بھی کر سکتا ہے اور بہت سارے آدمی بھی مل جُل کر کرتے ہیں۔

بچّو! ہر انسان ضرورت مند ہے اور ایک دوسرے کی مدد کا محتاج ہے۔ اسے کسی نہ

کسی وقت دوسروں کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہی آدمی اچھا ہے جو ضرورت کے وقت دوسروں کی مدد کرے۔ اسی لیے کچھ نیک اور اچھے لوگ مل کر بھلائی کے ایسے ادارے قائم کرتے ہیں جو دن رات عوام کی بھلائی کے کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔

سلمان : جناب! عوامی بھلائی کے کون کون سے ادارے ہیں؟

ماسٹر صاحب : بچو! یوں تو عوامی بھلائی کے بہت سارے ادارے ہیں۔ لیکن ان میں سے خاص یہ ہیں۔ اسکول اور کالج، اسپتال، یتیم خانے، بینک اور بیمہ کمپنیاں وغیرہ۔ اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم دی جاتی ہے۔ اسپتالوں میں بیماروں کا علاج ہوتا ہے اور دوائیں ملتی ہیں۔ یتیم اور لاوارث بچّوں کی دیکھ بھال یتیم خانے کرتے ہیں۔

اسکول اور کالج

ماسٹر صاحب جماعت میں پڑھا رہے تھے۔ اچانک ایک آدمی جماعت میں داخل ہوا۔ ماسٹر صاحب کو بڑے ادب سے سلام کیا۔ ان سے چند منٹ تک باتیں کیں اور پھر اِسی طرح ادب سے سلام کرکے اور ہاتھ مِلاکر رخصت ہُوا۔ اُس کے جانے کے بعد ایک بچے نے ماسٹر صاحب سے پوچھا :

"جناب یہ کون صاحب تھے؟"

ماسٹر صاحب : بچو! یہ اِس اسکول کے ایک پرانے طالب علم تھا۔ آج سے دس گیارہ سال پہلے وہ اِسی اسکول میں آپ ہی کی طرح پڑھتے تھے۔ خُوب پَڑھ لِکھ کر اب وہ ڈاکٹر بن گئے ہیں۔

بچو! اسکول اور کالج عوامی بھلائی کے سب سے اہم ادارے ہیں۔ ان کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کرسکتی۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں قوم کے بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

علم کے بغیر نہ ہم اچھے شہری بن سکتے ہیں اور نہ اپنی روزی ٹھیک طرح سے کمانے کے قابل ہوتے ہیں۔ اسکولوں اور کالجوں میں ہم تعلیم و تربیت حاصل کرتے ہیں اور اچھے شہری بن سکتے ہیں۔ حکومت نے لوگوں کی بھلائی کے لیے ہمارے ڈویژن کے ہر علاقے میں اسکول اور کالج قائم کیے ہیں، ان میں پرائمری، مڈل اور ہائی اسکول ہیں اور کالج بھی ہیں۔ اِن کے علاوہ فنی کالج بھی ہیں جیسے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے

ڈاؤ میڈیکل کالج، سندھ میڈیکل کالج، بقائی میڈیکل کالج، جناح پوسٹ گریجویٹ میڈیکل کالج اور کراچی ڈینٹل کالج۔ انجنیئرنگ کی تعلیم کے لیے این ای ڈی یونیورسٹی اور گورنمنٹ داؤد کالج، قانون کی تعلیم کے لیے ایس ایم لاء کالج، اسلامیہ لاء کالج، اردو لاء کالج یہاں کے مشہور کالج ہیں۔ اس کے علاوہ آغا خان میڈیکل یونیورسٹی بھی ہے۔ اس یونیورسٹی کے تحت ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ "ہمدرد یونیورسٹی" اور دوسری "خواتین یونیورسٹی" بھی قائم ہو چکی ہیں۔

اسی طرح حکومت نے مختلف کاموں میں مہارت حاصل کرنے کے لیے ٹیکنیکل سیکنڈری اسکول، کمپیوٹر سائنس کے کالج اور پولی ٹیکنیک جیسے ادارے قائم کیے ہیں۔

دینی اور مذہبی تعلیم کے لیے بھی بہت سے مدارس ہیں ان میں دارالعلوم کراچی، مظہرالعلوم کھڈہ اور جامعتہ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن خاص طور پر مشہور ہیں۔ ان مدرسوں میں ڈویژن کے اور باہر سے آنے والے طالب علم دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

ہمارے ڈویژن میں ایک اور یونیوسٹی بھی ہے جو "جامعہ کراچی" کے نام سے مشہور ہے۔ کالجوں سے فارغ ہونے کے بعد یہاں طالب علم اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

بچّو! یہی وہ بھلائی کے ادارے ہیں جہاں سے تعلیم حاصل کر کے بچے منصف، وکیل، ڈاکٹر، انجنیئر، استاد اور سائنس داں بن کر اپنے ملک اور قوم کی خدمت کر سکتے ہیں۔

اسپتال

وقفے کے دوران اسکول کے صحن میں دوڑتے ہوئے امین ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ اِس کے سر میں چوٹ آئی اور خون بہنے لگا۔ ایک بچے نے فوراً ہی ماسٹر صاحب کو خبر دی۔ ماسٹر صاحب آئے اور ابتدائی طبی امداد کے بعد امین کو اسپتال لے گئے۔ اسپتال میں ڈاکٹروں نے زخم دھو کر صاف کیا، دوائی لگائی اور پٹی باندھ دی۔ خون بہنا بھی بند ہوگیا۔

اسپتال میں بہت سارے مرد عورتیں اور بچے دوا لے رہے تھے، دوا بھی مفت مِل رہی تھی۔

امین : جناب! کیا یہاں سب لوگوں کو دوا مفت ملتی ہے؟

ماسٹر صاحب : یہ عام آدمیوں کا اسپتال ہے، اسے سول اسپتال کہتے ہیں، یہاں

تمام بیماروں کا مفت علاج ہوتا ہے۔ یہ بھی عوامی بھلائی کا ایک ادارہ ہے۔ اگر یہ ادارہ نہ ہو تو ہمیں بہت زیادہ تکلیف ہو۔

ہمارے ڈویژن میں بہت سارے اسپتال اور شفاخانے ہیں۔ حکومت کی طرف سے کھولے ہوئے بڑے اور مشہور اسپتال، سول اسپتال اور جناح اسپتال ہے۔ اسی طرح کے ایم سی کے عباسی شہید اسپتال، لیاری جنرل اسپتال اور اسپنسر آئی اسپتال ہیں۔ ان کے علاوہ آغا خان اسپتال اور لیاقت نیشنل اسپتال بھی ہیں جہاں ہر قسم کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے۔ پاکستان بھر میں ہمدرد دواخانہ مشہور ہے۔ اس دواخانے میں دیسی (یونانی) طریقے سے دوائیں تیار کی جاتی ہیں۔ دواخانے نے ناظم آباد میں ایک اسپتال بھی قائم کیا ہے۔

ان اسپتالوں کے علاوہ ہمارے ڈویژن میں اور بھی بہت سے اسپتال اور شفاخانے موجود ہیں۔ یہ اسپتال مختلف اداروں، ڈاکٹروں اور تنظیموں نے لوگوں کی بھلائی اور خدمت کے لیے کھولے ہیں۔

جانوروں کے اسپتال

دوسرے دن جب امین اسکول پہنچا تو اس کے تمام ساتھیوں نے اس کی خیریت معلوم کی۔ امین نے اسپتال کی ساری باتیں بتائیں۔ لبنیٰ یہ باتیں بڑے غور سے سُن رہی تھی، اس نے امین سے کہا : "امین بھائی کیا آپ مجھے اپنے ساتھ اسپتال لے چلیں گے؟ میں اپنے کُتّے کے لیے کوئی دوائی لانا چاہتی ہوں۔ اس کی ٹانگ میں چوٹ آگئی ہے اور وہ بے چارہ لنگڑا لنگڑا کر چل رہا ہے۔"

ماسٹر صاحب : لبنیٰ بی بی! ہم جس اسپتال میں گئے تھے وہ صرف انسانوں کے علاج کے لیے ہے، وہاں کُتوں کا علاج نہیں ہوتا۔ جانوروں کے علاج کے لیے الگ اسپتال

ہیں۔ جانوروں کا علاج کرنے والے ڈاکٹر بھی الگ ہوتے ہیں جو صرف جانوروں کا علاج کرتے ہیں اور مویشی پالنے والوں کو ان کی نسل بڑھانے اور اُنھیں تندرست رکھنے کے طریقے بھی بتاتے ہیں۔

کراچی میں بھی جانوروں کے علاج کے اسپتال ہیں۔ ایک اسپتال ایم اے جناح روڈ پر بھی ہے۔ لبنیٰ بی بی! اگر تُمھیں اپنے کتے کے لیے دوا لانا ہو تو وہاں سے لا سکتی ہو۔

بینک

ماسٹر صاحب نے تمام بچوں کو اسکول کے بڑے ہال میں جمع ہونے کے لیے کہا۔ بچے ہال کی طرف چل پڑے۔ وہاں اُنھوں نے دیکھا کہ ایک آدمی کُرسی پر بیٹھا ہے اور ایک بڑے سُرخ رنگ کے کپڑے پر لکھا ہوا ہے۔ "روپیہ بچائیے کل کام آئے گا۔" عالیہ نے ماسٹر صاحب سے پوچھا۔ "یہ کون صاحب ہیں؟"

ماسٹر صاحب : عالیہ بی بی! یہ بینک کے افسر ہیں اور آج آپ کو بینک کے بارے میں بتائیں گے۔

بینک افسر : بچّو! روپیہ پیسہ ہم سب کے لیے بہت ضروری ہے۔ ہمارا کوئی کام بھی بغیر روپے پیسے کے نہیں ہو سکتا۔ کسی عقل مند نے کہا ہے :

"روپیہ کمانا آسان ہے اور خرچ کرنا مشکل ہے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم روپیہ بیکار کاموں میں خرچ کردیں گے تو ضرورت کے وقت ہمیں بہت پریشانی ہوگی۔ اس لیے جب کبھی روپیہ پیسہ ملے اس میں سے کچھ نہ کچھ بچانا ضروری ہے۔ بچت کی عادت بہت اچھی ہے اور فضول خرچی کی عادت بہت ہی بُری ہے۔

پیسہ بچا کر بینک میں محفوظ رکھا جاتا ہے، جہاں سے ضرورت کے وقت نکال کر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ بینک میں پیسے جمع کرنے سے اس کی بچت بھی ہوتی ہے اور یہ چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ بچت کے لیے

جمع کی جانے والی رقم پر بینک منافع بھی دیتا ہے۔ بینک ضرورت مند لوگوں کو روپیہ قرض بھی دیتا ہے۔ حکومت بھی اپنی تمام دولت بینک میں محفوظ رکھتی ہے۔

بچّو! آپ بھی پیسے بچانے کی عادت ڈالیں اور ابّو امّی سے ملنے والے پیسوں میں سے کچھ نہ کچھ بچایا کریں۔ اس طرح آپ کے پاس بہت سارے پیسے جمع ہو جائیں گے جو آپ کسی ضرورت کے وقت کسی اچھی سی کتاب یا چیز خریدنے کے لیے خرچ کر سکیں گے۔

بینک میں بچوں کے پیسے بھی جمع کیے جاتے ہیں۔ ہفتے میں ایک دن بچت کا دن ہے، بچے اس روز پورے ہفتے کے بچائے ہوئے پیسے بینک میں جمع کراتے ہیں۔ پیسوں کا باقاعدہ حساب رکھا جاتا ہے، جو ایک کارڈ پر یا بینک
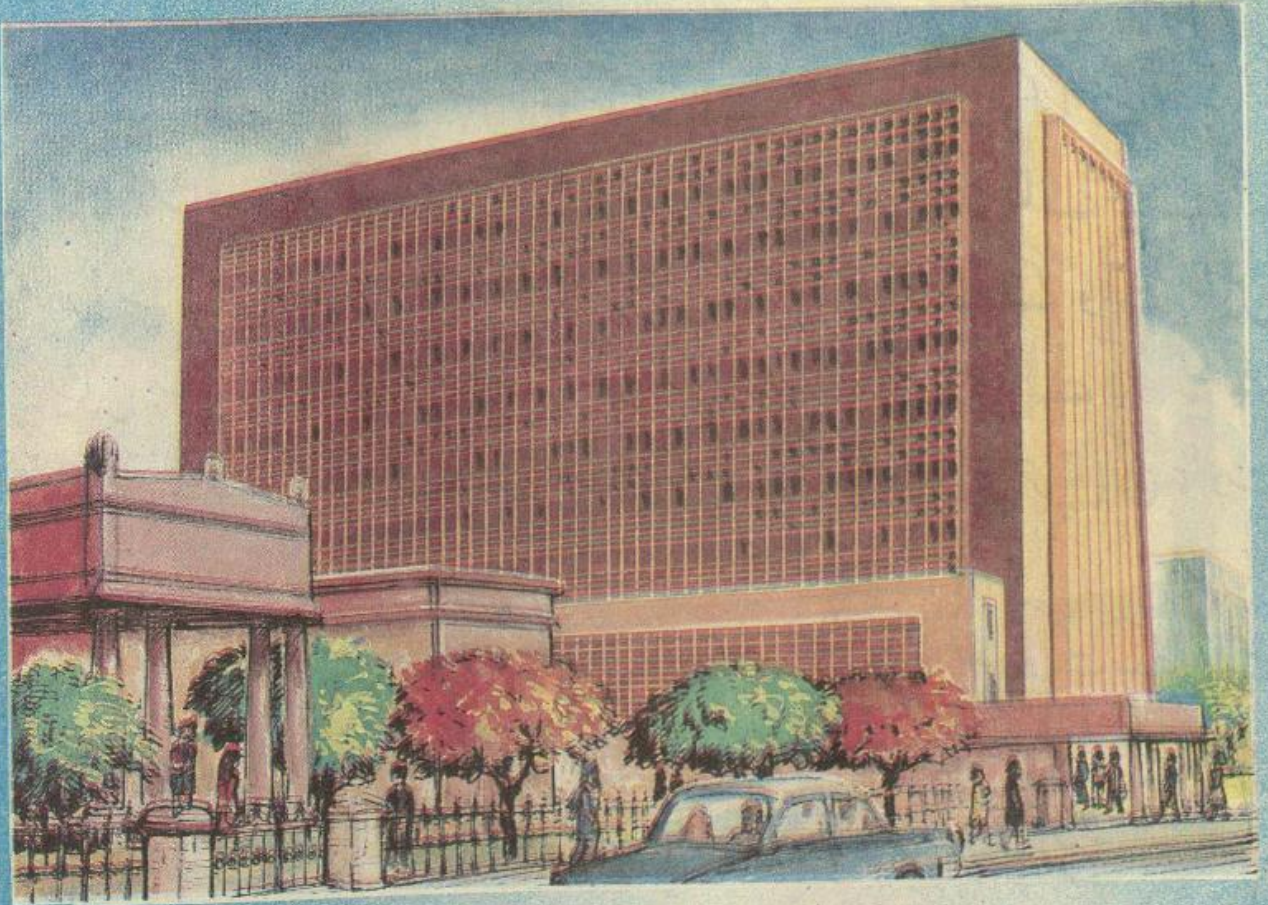
کی کتاب یا "بینک پاس بُک" میں لکھا جاتا ہے۔

سلمان : جناب! اگر ہمیں پیسوں کی ضرورت پڑے تو ہم یہ پیسے کس طرح واپس لے سکتے ہیں۔

بینک افسر : بچّو! جس طرح تم پیسے جمع کرتے ہو، اِسی طرح جب چاہو پیسے واپس بھی لے سکتے ہو۔

ماسٹر صاحب : بچو! آج تم نے بینکوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔

یاد رکھو! کچھ نہ کچھ پیسے ضرور بچایا کرو۔ یہ اچھی عادت ہے۔ ہمارے ڈویژن میں بینکوں کی بہت سی شاخیں ہیں جو لوگوں کا پیسہ جمع رکھتی ہیں اور اس کی حفاظت بھی کرتی ہیں۔

کراچی کے چند مشہور بینک یہ ہیں : نیشنل بینک، حبیب بینک، یونائیٹڈ بینک، مسلم کمرشل بینک، الائیڈ بینک وغیرہ۔ ان بینکوں کے صدر دفتر ہمارے ہی شہر میں ہیں اور ان کی شاخیں پورے پاکستان میں پھیلی ہوئی ہیں۔

ان کے علاوہ بعض بینک امداد باہمی کے اصولوں پر قائم کیے گئے ہیں۔ حکومت کی طرف سے تمام بینکوں کی نگرانی "اسٹیٹ بینک" کرتا ہے۔

عزیز : جناب! اسٹیٹ بینک کے اور کیا کیا کام ہیں؟

ماسٹر صاحب : اسٹیٹ بینک حکومت پاکستان کی طرف سے نوٹ بھی جاری کرتا ہے اور یہ سکے بھی بناتا ہے جو روزمرہ زندگی میں کام آتے ہیں۔

آٹھواں باب

آمدورفت اور اطّلاعات کے وَسائل

پکّے اور کچّے راستے

سلیم اپنے بنچ پر بیٹھا ہوا ایک تصویر کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ دوسرے بچے اس کے اِردگِرد کھڑے تھے اور تصویر دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اتنے میں ماسٹر صاحب جماعت میں داخل ہوئے۔ بچوں کو سلیم کے قریب دیکھ کر انھوں نے سلیم سے پوچھا، سلیم کیا بات ہے؟ تم کیا دیکھ رہے ہو؟

سلیم : جناب یہ ایک "تصویری پہیلی" ہے۔ ایک بچہ اپنے گھر کا راستہ بھول گیا ہے۔ راستہ تلاش کرنے میں اس کی مدد کرنا ہے اور اسے گھر تک پہنچانا ہے۔

ماسٹر صاحب : بچّو! کسی بھولے بھٹکے کو صحیح راستہ بتانا بڑی اچھی بات ہے۔ راستے کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر یہ راستے اور سڑکیں نہ ہوں تو ہم خود صبح سے شام تک کسی قریبی علاقے تک بھی نہ پہنچ سکیں۔ راستے اور سڑکیں آمدورفت کا سب سے اہم ذریعہ ہیں۔ اِنھی کے ذریعے ہم چل کر یا سوار ہو کر ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک اور ایک منزل سے دوسری منزل تک آسانی سے اور کم وقت میں آ اور جا سکتے ہیں۔ آمد و رُفت کے مختلف ذریعے ہیں۔ خشکی پر سفر کرنے کے لیے چھوٹی چھوٹی کچی سڑکیں ہیں اور بڑی بڑی پختہ سڑکیں بھی ہیں۔ کچے راستے ہمارے شہر کے نواحی علاقوں میں ہیں اور باقی پورے شہر میں چھوٹی بڑی پختہ سڑکوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ کراچی شہر کی سڑکیں پختہ، صاف ستھری اور چوڑی ہیں۔ ہمارے شہر کی سب سے مشہور سڑک ایم اے جناح روڈ

ہے۔ ان سڑکوں پر دن رات ہر قسم کی ہزاروں گاڑیاں چلتی رہتی ہیں۔ اچھی سڑکوں سے لوگوں کو آمد و رفت میں بے حد آسانی ہوتی ہے۔

ریلوے اور ہوائی راستے

سلمان : جناب! ہمارے ڈویژن میں ریلوے لائن بھی تو ہے۔

ماسٹر صاحب : ہاں بچو! اس کا پہلا اسٹیشن کراچی سٹی ہے اور آخری دھابیجی۔ یہ 60 کلومیٹر لمبی ریلوے لائن ہے۔ لیکن لوکل گاڑیاں صرف کراچی سٹی اور لانڈھی کے درمیان چلتی ہیں اور کچھ گاڑیاں کراچی سٹی سے ملیر کینٹ تک جاتی ہیں۔

سلمان : جناب! میرے گھر کے قریب نارتھ ناظم آباد کا ریلوے اسٹیشن بھی تو ہے۔

ماسٹر صاحب : ہاں یہ سرکلر ریلوے کا ایک اسٹیشن ہے۔ سرکلر ریلوے ہمارے ڈویژن کی خاص ریلوے لائن ہے۔ یہ ضلعوں کے اکثر گنجان آباد علاقوں سے گزرتی
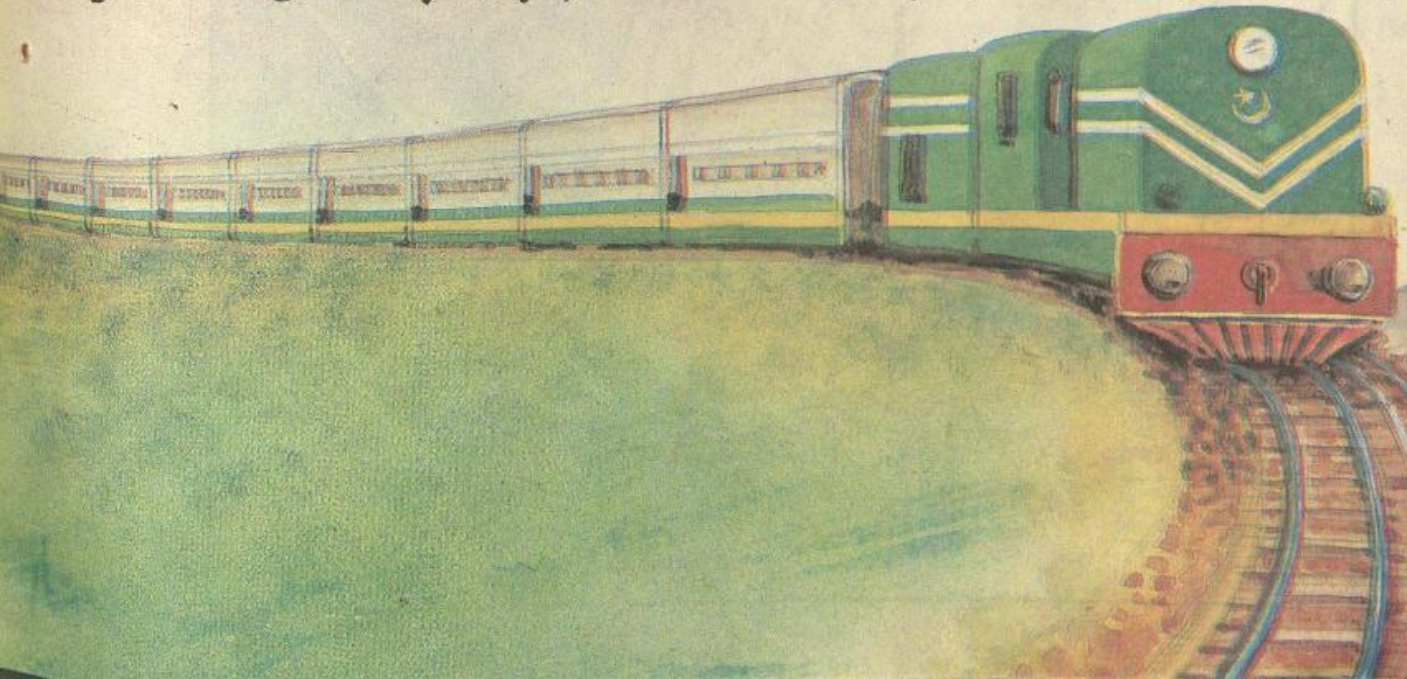
ہے۔ یہ ڈرگ کالونی سے شروع ہوکر شہر کا چکر لگاتی ہوئی واپس وہیں پہنچ جاتی ہے۔ اس لائن پر چھوٹے بڑے کل اکیس اسٹیشن ہیں۔ چھوٹے اسٹیشن ہالٹ کہلاتے ہیں اور یہ پانچ ہیں۔ یہ اس نقشے' میں بھی دیکھ لو۔

سلمان : جناب کیا ہمارے ڈویژن میں ہوائی اور سمندری راستے بھی ہیں؟

ماسٹر صاحب : بچّو! ہمارے کراچی شہر میں دنیا کا مشہور ہوائی اڈا ہے۔ یہاں سے ہوائی جہاز کے ذریعے لوگ ملک کے باہر آتے جاتے رہتے ہیں۔ کراچی کے ہوائی اڈے
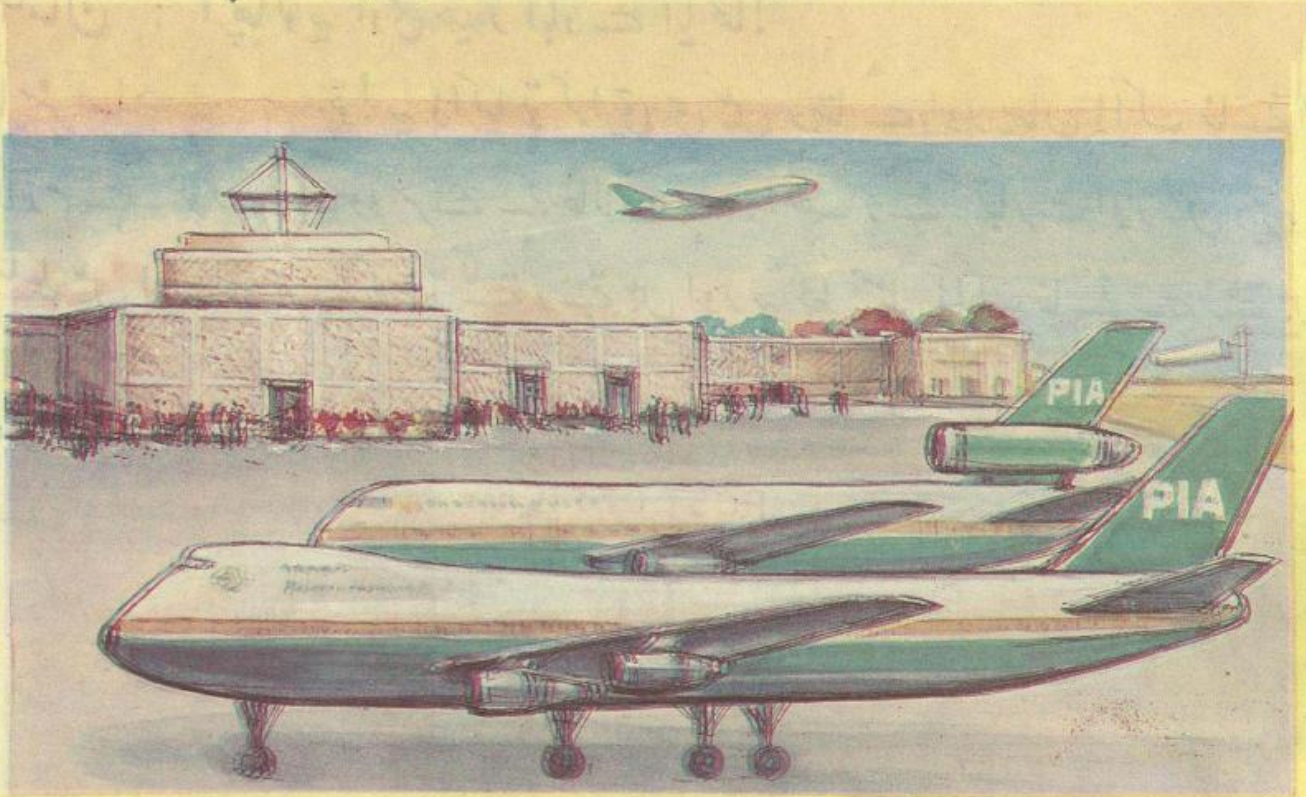
پر ہر وقت رونق رہتی ہے اور کوئی نہ کوئی ہوائی جہاز آتا جاتا رہتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی مشہور بندرگاہ "کیماڑی" بھی ہمارے شہر میں ہے' جہاں ہر وقت دوسرے ملکوں سے آنے اور جانے والے جہاز موجود ہوتے ہیں۔

ڈاک خانہ

ڈاکیا : جناب! آپ کا ایک رجسٹرڈ خط ہے۔

ماسٹر صاحب خط وصول کرتے ہیں اور ڈاکیئے کو رسید پر دستخط کرکے دے دیتے ہیں۔

عالیہ : جناب! یہ آدمی کہاں سے آیا تھا اور کیا لایا تھا؟

ماسٹر صاحب : یہ ڈاکیا تھا اور میرے ایک دوست کا خط لایا تھا جو حیدر آباد میں رہتے ہیں۔

سلمان : اچھا تو یہ آدمی حیدر آباد سے آیا تھا!

ماسٹر صاحب : بچّو! یہ ڈاکیا تو کراچی ہی میں رہتا ہے اور یہاں ڈاک خانے میں ملازم ہے۔ لوگ ایک دوسرے کے حالات سے واقف رہنے، تجارت اور لین دین کے سلسلے میں ایک دوسرے کو خط لکھتے رہتے ہیں اور یہ خط ہمیں ڈاک خانے سے ملتے ہیں۔
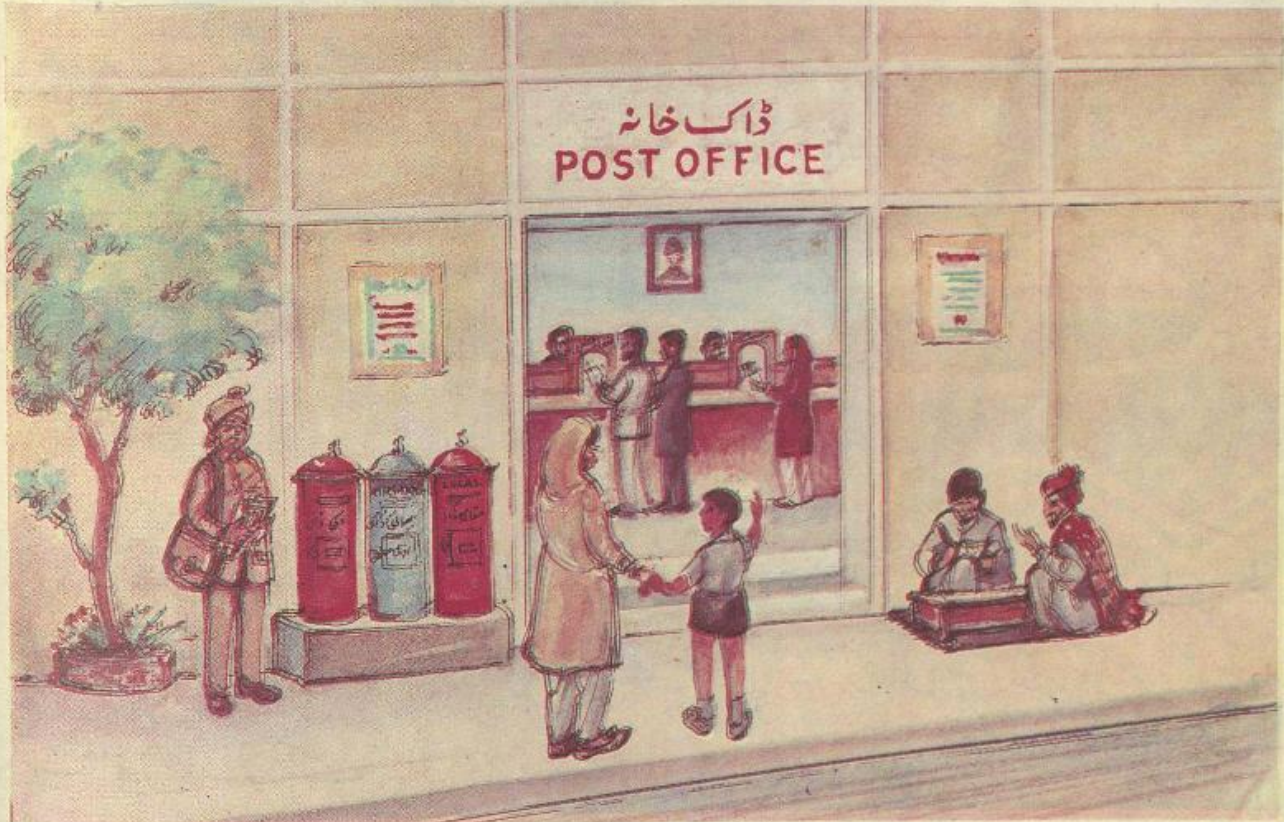
ہر علاقے میں آبادی کے لحاظ سے ڈاک خانے کھولے جاتے ہیں۔ باہر سے آنے والی ڈاک، پہلے ڈاک خانوں میں آتی ہے، وہیں اسے کھول کر ہر علاقے کے خطوط الگ کیے

جاتے ہیں اور پھر ڈاکیا انھیں ہر محلے میں جا کر گھر گھر تقسیم کر دیتا ہے۔

ہمارے ڈویژن کا سب سے بڑا ڈاک خانہ کراچی میں آئی آئی چندریگر روڈ پر ہے اور دوسرے علاقوں میں بھی بے شمار چھوٹے بڑے ڈاک خانے ہیں، جہاں بہت سارے آدمی دن رات کام کرتے ہیں اور لوگوں کے خطوط، پارسل اور منی آرڈر ان تک پہنچاتے ہیں۔

تار اور ٹیلی فُون

حمید : جناب! اگر میں اپنے ماموں کو سکھر خط لکھوں تو ان کو یہ خط کتنے دن میں پہنچ جائے گا؟

ماسٹر صاحب : ایک دن یا زیادہ سے زیادہ دو دن میں پہنچ جائے گا۔

سلمان : جناب! اگر کسی کو بہت جلدی پیغام بھجوانا ہو تو!

ماسٹر صاحب : اس کے لیے دو ذریعے ہیں۔ تار یا ٹیلی فون، یہ دونوں ذریعے بہت اہم ہیں۔ ٹیلی گرام یا تار کا طریقہ بہت پرانا ہے۔ تقریباً ہر ڈاک خانے کے ساتھ ایک تار گھر ہوتا ہے اور کہیں کہیں ٹیلی گراف آفس الگ بھی ہوتے ہیں۔ تار بھیجنے والا اپنا پیغام کم سے کم الفاظ میں لکھ کر تار گھر میں دیتا ہے، جہاں سے ایک برقی آلے کے ذریعے یہ پیغام مقررہ جگہ کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف اس پیغام کو وصول کیا جاتا ہے اور جس کے لیے یہ پیغام ہوتا ہے اس تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

فوری پیغام کا دوسرا ذریعہ ٹیلی فون ہے۔ یہ بھی ایک برقی آلہ ہے جو اکثر گھروں، دفتروں، دوا خانوں اور دوسرے اہم مقامات پر لگایا جاتا ہے۔ اس کے ذریعے آدمی دُور دراز کے علاقے کے لوگوں سے خود بات کر سکتا ہے۔

ٹیلی فون کے بہت سارے فائدے ہیں۔ اس کے ذریعے منٹوں میں ہزاروں کلومیٹر دور رہنے والے آدمی سے بھی بات کی جاسکتی ہے۔ خطرہ، چوری، حادثہ یا آگ لگنے کی صورت میں بھی ٹیلی فون کے ذریعے مدد طلب کی جاسکتی ہے۔ اچانک بیماری کی صورت میں ڈاکٹر کو بھی بلایا جاسکتا ہے۔

ریڈیو

سلمان : جناب! ڈاک خانے، تار اور ٹیلی فون یہ سب خبریں پہنچانے کے ذریعے ہیں، لیکن ہم ریڈیو پر جو خبریں سنتے ہیں اس کا کیا طریقہ ہے؟

ماسٹر صاحب : ریڈیو پر آنے والی خبروں اور پروگراموں کے طریقے کچھ الگ ہیں۔ جہاں سے آواز کی لہریں فضا میں بھیجی جاتی ہیں اور پھر فضا سے کسی ریڈیو سیٹ پر وصول کرکے سنی جاسکتی ہیں۔
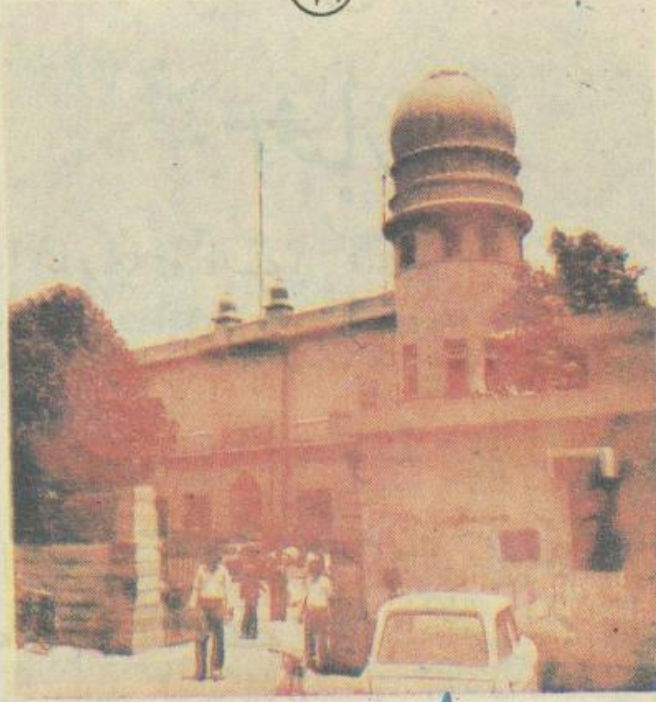
ریڈیو پاکِستان

ٹیلی ویژن

سلمان : ماسٹر صاحب آپ نے ہمیں تار، ٹیلی فون اور ریڈیو کے بارے میں تو بتایا ہے۔ مگر آپ ہمیں ٹیلی ویژن کے بارے میں بھی بتائیے۔

ماسٹر صاحب : آپ نے بہت اچھا سوال کیا ہے۔ دیکھیے ریڈیو پر تو صرف آواز ہی سنائی دیتی ہے مگر ٹیلی ویژن ایک ایسا آلہ ہے جس میں بولنے والے کی تصویر بھی دکھائی دیتی ہے۔ ٹیلی ویژن ایک بڑے ریڈیو کی طرح ہوتا ہے اس کے سامنے والے حصے پر شیشہ لگا ہوتا ہے۔ اسے اسکرین کہتے ہیں۔ اسکرین پر تصویر آتی ہے۔

جس طرح ریڈیو کی نشریات کے لیے ریڈیو اسٹیشن ہوتا ہے اسی طرح ٹیلی ویژن کی نشریات کے لیے بھی ٹیلی ویژن سینٹر (مرکز) ہوتا ہے۔ اس سینٹر سے تصویر اور آواز دونوں لہروں کے ذریعے ٹیلی ویژن تک آتی ہیں۔ جب ہم اپنا ٹیلی ویژن کھولتے ہیں تو آواز سنتے ہیں اور تصویر بھی دیکھتے ہیں۔ ہمارے کراچی شہر میں بھی ٹیلی ویژن سینٹر ہے۔

نواں باب

ہمارے پیغمبر

حضرت آدم عَلَیہُ السَّلام

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں سب سے پہلے جس انسان کو پیدا کیا وہ حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ اللہ نے حضرت آدمؑ کے ساتھ بی بی حوّا کو بھی اس دنیا میں بھیجا۔ ان کی اولاد ہوئی اور اس اولاد کے بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ اسی طرح حضرت آدمؑ کی نسل بڑھتی رہی۔ جیسے جیسے آبادی بڑھتی گئی ویسے ویسے لوگ زمینوں پر دور دور آباد ہونے لگے۔ دور رہنے کی وجہ سے ان کا رہن سہن بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوگیا۔ ان کی خوراک اور دوسرے رسم و رواج میں بھی فرق آتا گیا۔ رفتہ رفتہ ان کی زبانیں بھی الگ الگ ہوگئیں۔ آگے چل کر ان لوگوں نے اپنے لیے الگ ملک بنالیے۔ آج اس زمین پر بہت سے ملک ہیں۔ ہر ملک میں لاکھوں آدمی رہتے ہیں۔ یہ سب لوگ اصل میں حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔

حضرت آدمؑ اس دنیا میں پہلے انسان ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بھی تھے۔ ان کی اولاد میں ہابیل اور قابیل بہت مشہور ہیں۔ حضرت آدمؑ نے اپنی اولاد کو سیدھے راستے پر چلنے کا حکم دیا اور برے کاموں سے روکا۔ اُنھوں نے یہ بھی بتایا کہ ہر انسان کو خدا کی عبادت کرنی چاہیے اور اگر اس سے کوئی غلطی ہوجائے تو اس کے لیے اللہ سے معافی مانگنی چاہیے کیوں کہ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان اور گناہوں کو بخشنے والا ہے۔

حضرت آدمؑ کے بعد اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیائے کرام بھیجے تاکہ وہ لوگوں کو نیکی

اور سچائی کا راستہ دکھائیں'۔ سب سے آخری نبی ہمارے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ یہ سب نبی اور تمام انسان حضرت آدمؑ کی نسل سے ہیں۔

حضرت اِبراہیم عَلَیہِ السَّلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام جس قوم میں پیدا ہوئے وہ بتوں کو پوجتی تھی۔ سورج' چاند اور تاروں کو بھی اپنا خدا سمجھتی تھی اور ان کے خیالی بُت بنا کر ان کی عبادت کرتی تھی۔ قوم کے لوگ ان بتوں کو سجدہ کرتے تھے۔ فائدہ ہو یا نقصان' بیماری ہو یا صحت ہر کام میں ان سے مدد مانگتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی تھے۔ وہ اپنی قوم کی بھلائی چاہتے تھے۔ اسی لیے اُنھوں نے لوگوں سے کہا کہ بتوں کی پوجا مت کرو' سُورج اور چاند کی بندگی نہ کرو۔ کیوں کہ یہ تمھارے خدا نہیں ہیں۔ خدا تو وہ ہے جس نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ وہ جس کو بچانا چاہے اسے کوئی نہیں مار سکتا' اس لیے کہ موت اور زندگی کا مالک خدا ہے۔

لوگوں کو یہ بات پسند نہ آئی۔ وہ حضرت ابراہیمؑ کے دشمن بن گئے اور انھوں نے بادشاہ نَمرود سے فریاد کی کہ "ابراہیم ہمارے خداؤں (بتوں) کو جھوٹا کہتے ہیں اور لوگوں کو ان کی پُوجا سے رُوکتے ہیں۔ نَمرود یہ سنتے ہی غصے میں آگ بگولا ہوگیا' اس نے حکم دیا کہ ابراہیمؑ کو آگ میں جلا دیا جائے۔ بس حکم کی دیر تھی کہ ایک بڑا الاؤ روشن کیا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ کو جلتا ہوا دیکھنے کے لیے بہت سے لوگ جمع ہوگئے۔ نمرود کے آدمیوں نے حضرت ابراہیمؑ کو اٹھا کر آگ میں پھینک دیا اور یہ سمجھے کہ ابراہیمؑ جل کر خاک ہو جائیں گے لیکن خدا بڑی قدرت کا مالک ہے' اس کی مہربانی سے آگ بجھ گئی اور اتنی

ٹھنڈی ہوئی کہ حضرت ابراہیمؑ سلامت رہے۔ حضرت ابراہیمؑ آگ میں جلنے کے لیے ہنسی خوشی اس لیے تیار ہو گئے کہ ان کو یقین تھا کہ خدا کے سوا نہ تو کوئی مجھ کو مار سکتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اللہ کے راستے میں یہ ان کی پہلی قربانی تھی۔

حضرت ابراہیمؑ کے ایک بیٹے کا نام اسماعیلؑ تھا۔ آپ کو اس بیٹے سے بڑی محبت تھی۔ ایک رات حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں بشارت ہوئی "کہ آپ اپنے پیارے بیٹے اسماعیلؑ کو خدا کی راہ میں قربان کر دو۔"

باپ نے بیٹے کو خواب کی بات بتائی۔ فرماں بردار بیٹا اللہ کی راہ میں قُربان ہونے کے لیے تیار ہو گیا۔ جب حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کرنے لگے تو خدا کا حکم آیا کہ "اے ابراہیمؑ تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا، تم بھی سچے ہو اور تمھارا بیٹا بھی سچوں میں سے ہے۔ اب اپنے ہاتھ کو روک لو، اپنے پیارے اور فرماں بردار بیٹے کے بدلے میں دنبہ کی قربانی دو۔" اللہ تعالیٰ کو اپنے پیارے نبیؑ کی یہ قربانی بہت پسند آئی۔

ہم ہر سال خدا کی راہ میں حلال جانوروں کی قربانی دے کر حضرت ابراہیمؑ کی اس قربانی کی یاد مناتے ہیں۔ اس دن کو قربانی کی عید یا عید الاضحیٰ کہتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ مل کر عرب میں کعبۃ اللہ یعنی اللہ کا گھر بنایا۔ اللہ نے حکم دیا کہ "سب لوگ اس گھر کی طرف منہ کر کے عبادت کریں۔ یہ رحمت اور نجات کا گھر ہے۔" اِسی وجہ سے تمام مسلمان کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ لاکھوں مسلمان حج بیت اللہ کے لیے ہر سال جاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں پیدا ہوئے۔ ان دنوں وہاں کا بادشاہ فرعون تھا۔ نجومیوں نے اس کو بتایا تھا کہ "بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری بادشاہت کو ختم کردے گا۔" اسی ڈر سے بنی اسرائیل میں جو لڑکا بھی پیدا ہوتا وہ فرعون کے حکم سے مار دیا جاتا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی ماں پریشان ہوئیں اور انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک صندوق میں بند کرکے دریائے نیل میں بہا دیا۔ خدا کی قدرت کہ وہ صندوق فرعون کی بیوی کے ہاتھ آیا۔ حضرت موسیٰؑ کو محل میں لے کر گئیں اور اس طرح حضرت موسیٰؑ فرعون کے گھر پرورش پانے لگے۔

حضرت موسیٰؑ نبی تھے۔ ان کو فرعون کا ظلم اور اس کی زیادتی بالکل پسند نہ آئی۔ جس کی وجہ سے فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو قتل کرانے کا ارادہ کیا۔ حضرت موسیٰؑ مصر سے نکل کر مدین جا پہنچے۔ کچھ عرصہ وہاں رہ کر دوبارہ واپس آگئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو ہدایت کرتے ہوئے کہا :

"ایک رب کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو، ظلم کا مقابلہ کرو اور کسی ظالم سے نہ ڈرو۔"

فرعون اور اس کے وزیر ہامان کو یہ باتیں بالکل پسند نہ آئیں۔ اُنھوں نے بِالآخر حضرت موسیٰؑ کو دربار میں بلایا جہاں حضرت موسیٰؑ نے اپنے "عصا" کا معجزہ دکھایا جو سانپ بن جاتا تھا اور چمکتے ہوئے ہاتھ کا معجزہ بھی دکھایا لیکن ظالم فرعون اور ہامان نے اس سے کوئی سبق نہ سیکھا۔ اُنھوں نے حضرت موسیٰؑ کی قوم پر پہلے سے بھی زیادہ ظلم ڈھانے شروع کیے۔

حضرت موسیٰؑ نے مجبور ہو کر اپنی قوم کو مصر چھوڑنے کا مشورہ دیا۔ وہ پوری قوم کے ساتھ دریائے نیل کو عبور کر کے صحیح سلامت دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ فرعون نے بھی اپنا زبردست لشکر لے کر ان کا پیچھا کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضی کا شکار ہو گیا اور اس طرح اپنے لشکر سمیت دریائے نیل میں غرق ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر جا کر دعا مانگی اور اپنی قوم کی نجات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی ہدایتیں اور احکامات ملے وہ "توریت" نامی کتاب میں موجود ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آج سے تقریباً دو ہزار سال پہلے بنی اسرائیل کے قبیلے میں پیدا ہوئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے سچے نبی تھے۔ ان کی قوم بہت زیادہ خرابیوں میں مبتلا تھی۔ وہ اپنی قوم کو برائیوں سے بچانے کے لیے کہتے تھے "جو تم سے دشمنی کرے، تم اس سے نیکی کرو، جو تمھیں تکلیف پہنچائے تم اس کی بھلائی کے لیے دعا مانگو۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قوم کی اصلاح کا کام غریبوں سے شروع کیا۔ ایک بار وہ خود دھوبی گھاٹ گئے اور دھوبیوں سے کہا کہ "تم دوسروں کے کپڑوں کی گندگی اور میل کچیل تو ہر روز صاف کرتے ہو لیکن کبھی اپنے دل کی میل کچیل کو بھی صاف کیا ہے؟" آپ کہتے تھے :

"خدا سے ڈرو، اس پر ایمان لاؤ اور گناہ کے کاموں سے بچو۔ اس عمل سے تمھارا دل شیشے کی طرف صاف ہو جائے گا۔"

ایک دن آپ ایک تالاب پر گئے۔ وہاں مچھیرے مچھلیاں پکڑ رہے تھے۔ آپ نے ان کو بھی خدا کا راستہ بتایا اور فرمایا کہ : "یہ دنیا مچھلی کے جال کی طرح ہے، اپنے آپ کو اس میں پھنسنے سے بچاؤ، گناہوں سے دوری اختیار کرو۔"

حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ نے بڑی شفا دی تھی ۔ آپ کسی بیمار یا قریب المرگ آدمی کو ہاتھ لگا دیتے تو اچھا بھلا ہو جاتا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ "کوئی شخص اپنے بھائی کی چھوٹی بات پر ناراض نہ ہو۔ لوگوں کو اپنے پڑوسیوں سے محبت کرنی چاہیے اور اپنے دشمنوں سے بھی اچھا برتاؤ کرنا چاہیے۔"

حضرت عیسیٰؑ پر جو کتاب نازل ہوئی وہ "انجیل" کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت مُحمّد مُصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم

حضرت محمّد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مکّہ معظّمہ کے قریش قبیلے میں پیدا ہوئے۔ آپؐ کے والد کا نام عبداللہ تھا۔ بچپن سے آپؐ نہایت نیک، سچے اور ایماندار تھے۔ اس لیے مکے کے لوگ آپؐ کو "صادق اور امین" کہا کرتے تھے۔ اس زمانے میں عرب بتوں کی پوجا کرتے تھے اور بہت سے گناہوں کے کام کیا کرتے تھے۔

آپؐ کی نیکی اور ایمانداری دیکھ کر مکے کی ایک نیک اور مالدار خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپؐ سے شادی کی۔ اس وقت آپؐ کی عمر پچیس سال تھی۔

جب آپؐ چالیس سال کے ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو نبوت عطا کی گئی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو آخری نبیؐ بنایا۔
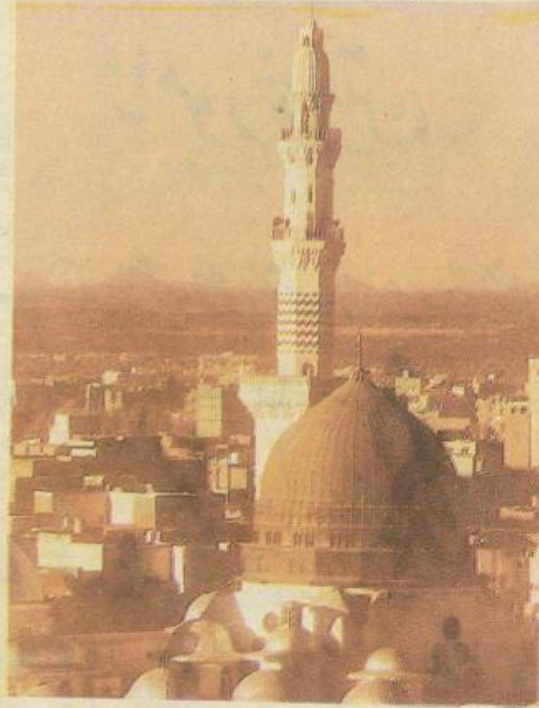
اس کے بعد آپؐ نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینی شروع کی، جس پر مکے کے کافر آپؐ سے ناراض ہوگئے اور آپؐ کو اور دوسرے مسلمانوں کو بہت تکلیفیں دینی شروع کردیں۔ آخر کار نبوت کے تیرھویں سال آپؐ مکے سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ چلے گئے۔ ہجری سال اسی وقت سے شروع ہوا ہے۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد آپؐ کی کافروں سے کئی جنگیں ہوئیں اور آخر فتح اسلام کی ہوئی۔

آنحضرت محمد مُصطفیٰ صلّی اللہ عَلَیہِ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ "ایک اللہ کی عبادت کرو، ماں باپ کی عزت کرو۔ اپنے بڑوں کا ادب کرو اور چھوٹوں سے شفقت سے پیش آؤ۔ محلے والوں سے اچھا سلوک کرو۔ جھوٹ نہ بولو، غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرو اور بھوکوں کو کھانا کھلاؤ۔"

ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کتاب نازل ہوئی اس کا نام "قرآن مجید" ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔

دسواں باب

نامور خواتین

اسلام سے پہلے عرب کے لوگ عورتوں کی عزت نہیں کرتے تھے۔ اِنھیں اپنی نوکرانی سمجھتے تھے۔ وہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کردیتے تھے۔ اسلام نے عورتوں کی عزت کرنے کا حکم دیا۔ عورتوں کی تعلیم کو فرض قرار دیا۔ ہمارے پیارے نبی صلعم نے فرمایا کہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔

حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے اپنے مثالی کردار سے عورتوں کو اچھی زندگی بسر کرنے کے طریقے سکھائے۔

ایک مشہور اور بہادر خاتون فاطمہ بنت عبداللہ نے میدانِ جنگ میں مسلمان سپاہیوں کی مرہم پٹی کرکے اور انھیں پانی پلاکر خدمت خلق کی عظیم مثال قائم کی۔ برِصغیر پاک وہند کی ایک مسلم خاتون بی اماں نے اپنے بیٹوں مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر کی اچھی تربیت کرکے یہ ثابت کردیا کہ ماں کی گود انسان کی پہلی درس گاہ ہے۔ محترمہ فاطمہ جناح نے پاکستان حاصل کرنے کے لیے قائدِ اعظمؒ کے ساتھ دن رات کام کرنے کے علاوہ عورتوں کی رہنمائی بھی کی۔

اللہ کا شکر ہے کہ آج عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کام کررہی ہیں۔ وہ ہوا بازی، انجنیئرنگ، وکالت، ڈاکٹری، نرسنگ، تدریس، انتظامیہ اور تجارت وغیرہ میں حصّہ لے رہی ہیں۔

گیارہواں باب

اہم شخصیّت

حَاجی عبداللہ ہارون

بچّو! 1872ء میں کراچی کے ایک کچھی میمن گھرانے میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ وہ صرف چار سال کا تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہوگیا۔ ماں نے اس بچے کی تعلیم و تربیت کا بوجھ اُٹھایا۔ لیکن غُربت اور مفلسی کی وجہ سے اسے اعلیٰ تعلیم نہیں دلا سکیں۔

جب یہ بچہ ذرا بڑا ہوا تو اس کی ماں نے اسے تھوڑا بہت سامان بازار میں فروخت کرنے کے لیے دینا شروع کیا۔ روزانہ وہ یہ سامان لے جاکر بازار میں بیچتا اور جو بھی رقم ملتی لاکر اپنی ماں کو دے دیتا۔ شروع شروع میں وہ اس کام میں شرم محسوس کرتا تھا لیکن رفتہ رفتہ یہ اس کا معمول بن گیا۔ کچھ عرصے بعد اس بچے نے چار روپے ماہوار پر ایک ملازمت کرلی اور پھر تھوڑے دنوں بعد ہی ملازمت چھوڑ کر ایک چھوٹی سی دکان کھول لی اور اپنا ذاتی کاروبار شروع کیا۔ کاروبار میں اتنی ترقی ہوئی کہ چودہ پندرہ سال کے اندر ہی اندر وہ کراچی کا ایک بڑا تاجر بن گیا۔

1890ء میں آسام سے چینی کی اس قدر کامیاب تجارت کی کہ "چینی کا بادشاہ" مشہور ہوا۔

بچّو! یہ ذہین، محنتی اور باصلاحیت غریب بچہ ہمارے شہر کراچی بلکہ صوبۂ سندھ کا مشہور مسلمان رہنما عبداللہ ہارون تھا۔

عبداللہ ہارون نے عمدہ اخلاق، انتھک محنت، خلوص اور سادگی کی وجہ سے زندگی

کے ہر شعبہ میں زبردست ترقی کی۔ انھوں نے پاکستان کی آزادی کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور قائدِ اعظمؒ کے ساتھ مل کر دن رات کام کیا۔

عبداللہ ہارون نے عوامی بھلائی کے بھی بے شمار کام کیۓ۔ مدرسے اور کالج کھلوائے، کالج کے طلباء کے لیے مسجدیں اور ہاسٹل بنوائے، تاجروں کی بھلائی اور فائدے کے لیے امداد باہمی کے بینک قائم کیے۔ نادار اور یتیم بچوں کے لیے یتیم خانے قائم کروائے۔ اسکولوں میں سندھی اور فارسی کی تعلیم کی ابتداء آپ ہی نے کروائی اور لوگوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کے لیے کئی اخبار جاری کروائے۔

مختصر یہ کہ عبداللہ ہارون کی پوری زندگی ایک مثالی زندگی تھی۔ وہ آخر وقت تک ملک اور قوم کی بھلائی کے لیے سوچتے اور کام کرتے رہے۔ 27 اپریل 1942ء میں حرکت قلب بند ہو جانے سے ان کا انتقال کراچی میں ہوا۔

کراچی کا عبداللہ کالج اور عبداللہ ہارون روڈ انھی کی یادگار ہیں۔

تیار کردہ: سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو، سندھ

منظور شدہ محکمۂ تعلیم صوبہ سندھ بطور واحد درسی کتاب برائے مدارس کراچی ڈویژن

قومی کمیٹی برائے جائزہ کتبِ نصاب کی تصحیح کردہ

قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد — کشورِ حسین شاد باد

تو نشانِ عزمِ عالی شان — ارضِ پاکستان

مرکزِ یقین — شاد باد

پاک سرزمین کا نظام — قوتِ اخوتِ عوام

قوم، ملک، سلطنت — پائندہ تابندہ باد

شاد باد منزلِ مراد

پرچم ستارہ و ہلال — رہبرِ ترقی و کمال

ترجمانِ ماضی، شانِ حال — جانِ استقبال

سایۂ خدائے ذوالجلال

پبلشرز کوڈ نمبر: 1

سلسلہ وار نمبر:

ماہ و سال اشاعت	ایڈیشن	تعداد	قیمت
فروری 1999ء	اوّل	50,000	18.65